



یہ ملکہ فارسی اور اردو لٹریچر میں اس قدر شہور اور حسن و عشق کی دنیا میں
سے ہر نامور ہے کہ ہمیں خود ہی تعجب ہے کہ دلازمین اس کا نام حسن کی کثرت سے زیادہ
سب عنوان کیوں نہ بنایا گیا ہمسفارسی وارد و کا کوئی شاعر نہیں جس نے
اس نام آفرین ملکہ کی شمع حسن کی شمعیں اپنی عشوقہ
کے چہرے سے لگا کر پیارا نام یاد دلایا اور اس کے عالم
فریب حسن کے حالات پر

ممتازہ لٹریچر کی مثنوی "خسرو شیر
مصر کی جدید مصنفہ زینب بنت علی خامنہ نے اپنی
طبقات برات الخدوہ میں قدیم عربی مورخین سے لے کر سیرت
بتائی ہے کہ وہ خاص ساسانی خاندان خسروی کی یادگار اور نوشیروان عاویں
نس سے تھی جسے نوشیروان نے پرورش کے لیے ایک شریف و معزز رئیس
ایران کے آغوش میں دے دیا تھا۔ اسی کے گھر میں وہ پرورش پائی تھی اور
خسرو پرویز بھی جو ان دنوں بچہ تھا اسی امیر کے گھر میں آئے شیرین کے ساتھ کھیلا کرتا
تھا یہی کھیلنا ان کے باہمی عشق کا باعث ہو گیا جب ان دونوں بچوں کا ملنا جلنا
اٹھنا بیٹھنا اور باہمی اختلاط و ارتباط اعتدال سے گزرتا نظر آتا تو شیر کو خاندان

ساسانی کے دارشاج و نگین کے لیے یہ حالت خطرناک نظر آئی اور شیرین کو منع کیا کہ خبردار تم صاحب عالم کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ مگر بچپن کی محبت نے دونوں کے دلوں میں اس قدر جگہ کر لی تھی کہ اس روک کا کچھ اثر نہ ہوا۔ پتہ دینے پر آتا۔ اور اس کے آتے ہی شیرین کو اس کے سوا کسی سے سروکار نہ ہوتا۔

اسی اثنا میں ایک دن شیرین کے اس بے دردمانی نے دیکھا کہ اس کی انگلی میں ایک قیمتی انگٹھوٹھی ہے۔ پوچھا "یہ انگٹھوٹھی تمہیں کہاں سے ملی؟" بھولی سادہ دل لڑکی نے صاف صاف کہہ دیا "پرویز نے دی ہے" یہ سن کے وہ شخص اور خائف ہوا۔ اور اپنے ایک خادم کو بلا کے حکم دیا کہ "اس لڑکی کو لے جا کے اسی وقت وجہ میں پھینک آؤ" خادم سے دریا گنارے لے گیا۔ اور گھر سے پانی میں ڈھکیل کے ڈبوئے کا ارادہ کر رہا تھا کہ شیرین نے رو دھوکے بہت و سماجت التجا کی کہ "تمہیں تو فقط دریا میں پھینکنے کا حکم ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ گھر سے پانی میں مجھے ڈبو دو۔ اور مجھے ڈبو کے تمہیں کیا مل جائے گا؟ تمہاری قسم اور فرمائش یوں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ مجھے تھوڑے پانی میں ڈال کے چلے جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے آقا کو میرے زندہ بچنے کا حال کبھی نہ معلوم ہو گا۔ اور نہ شہر میں کسی کو انہی صورت دکھاؤں گی" خادم کو اس کے رونے پر ترس آ گیا اور شیرین کو گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چھوڑ کے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شیرین کچھ دیر تک تو پانی ہی میں پڑی رہی پھر چپکے سے نکل کے سیچی راہبوں اور تنوں کے ایک دیر (خاتقاہ) میں چلی گئی جو کہیں دہن قریب تھا ایک خوبصورت بیاری جی کو روئے اور نہایت دیکھ کے راہبوں کا دل بھڑک اٹھا۔ اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پڑا اور دیر میں رکھ کے پالنے لگے۔ یوں شیرین بچپن ہی میں تنوں کی صحت میں رہ کر ایک نادر

مراض عابدہ بن گئی۔ لیکن باوجود اس رہبانیت کے وہ اگھوٹھی ہمیشہ اس کے ہاتھ
میں رہتی جسے وہ سب چیزوں سے زیادہ عزیز رکھتی تھی کیونکہ اسی کو دیکھ کے
وہ گزشتہ صحبت عیش اور تیرہ دہریہ کی محبت بھری نگاہ کو یاد کر لیا کرتی تھی۔
اب ادھر تو شیرن اسی دیر کے اندر ریاضت و رہبانیت کے لباس میں نہایت
پاکے جوان ہوئی اور ادھر تو دینے سے ساسانی تاج و تخت کو اپنی عنفوان شباب کی
حوصلہ مند یون سے زینب و زینت دے اتنا قاصر دم کا سفیر بڑے کردار و ترک
و احتشام سے دربار خسری میں آ رہا تھا۔ ایک دن اسی دیر کے سامنے اس نے
پڑاؤ ڈالا۔ اور راہب ہم مذہبی کے باعث اس سے ملے شیرن نے جیسے ہی شا
- قصر کا سفیر ہے اور خسرو پر ہونے اس جانا ہے۔ اس کے پاس دوڑی گئی۔
اتنا میل کام کر دیتے کہ یہ اگھوٹھی تاجدار آل ساسان کو پہنچا دے
تو میں آپ سے ملتی ہوں۔ یقین ہے کہ حضور شہنشاہ عجم اس کو
دیکھ کے بہت خوش ہوگا۔ اسی قدر کر کے شیرن نے کہا کیا
مضائقہ؟ میں خوشی سے ہر بخار دوں گا۔ وہ نے شیرن سے وہ
اگھوٹھی اس کے حوالے کی۔ اور بہت تاکید کر کے اسے لے جانے
کا۔ راستے میں کہیں کھونہ جاتے۔

اب سفیر دربار میں پہنچا۔ اور ایک دن موقع پائے وہ
میں خسرو پر دینے کے ملا خط میں چس کر دی۔ پہلے تو دربار میں اس نے اٹھائی۔
جب اسے غور سے دیکھا اور پچانا تو دل دھڑکنے لگا۔ بچپن کی ہر بار باطن پر سرور
یادداشتوں نے حافظے پر اس قدر هجوم کیا کہ آنکھوں میں آنسو ٹپک رہا تھا۔ شیرن
کی پیاری محبت بھری صورت آنکھوں سے سامنے پھرتی تھی۔ اور بے اختیار ہی کے جوش
میں شانہ منانے کو بھول کے پوچھنے لگا۔ آدایہ اگھوٹھی آپ کو کہاں ملی؟

سفر نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور اس دیر کا پتہ بتا دیا۔ فوراً بھروسے کے مختار
اُمرا بھیجے گئے۔ جو شیرین کو نہایت کد فریستہ ترک و احتشام اور شاہانہ جلوس شاہی
کے ساتھ قصر شہر یاری میں لائے۔

اب شیرین وہ پرانی کھنڈری لڑکی نہ تھی بلکہ ایک شوخ و ناز آفرین جبین
اور پر بھال نازنین تھی جس کی ہر ادا دل پر تیر و نشتر کا کام دیتی تھی۔ خسرو پر دینے صلوٰۃ
دیکھتے ہی ساری دنیا کو بھول گیا۔ محل کی تمام حسینہ جبین حرموں سے دل ہٹ گیا
شیرین سے عہد وفا کیا۔ سلطنت کی باگ بھی اسی کے ہاتھ میں دے دی۔ اور شیرین
ملکہ عجمین کے ساری قلمرو پر حکومت کرنے لگی۔ خسرو اس کا غلام تھا۔ اور ملک
میں جو کچھ کرتی تھی وہی کرتی تھی۔ چند روز کے بعد شیرین نے مدائن سے ذرا
فاصلے پر نرکان شاہان کے قریب کوہستان کی ایک پر فضا وادی منتخب کی۔
اور اس میں ایک عالی شان قصر تعمیر کرایا جس کے کھنڈر آج تک "قصر شیرین" کے
نام سے مشہور ہیں۔

لیکن فردوسی نے شاہنامے میں اور مولانا نظامی نے "خسرو شیرین" میں جو
کچھ واقعات لکھے ہیں وہ مذکورہ بالا بیان سے بالکل جدا اور بہت ہی پُر لطف ہیں۔
اور ہمارے خیال میں وہ بھی زیادہ صحیح بھی ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں عجیب و غریب
مصنفوں نے اپنے قومی روایات اور تاریخ عجم کے اُس ذخیرہ معلومات سے لے کر
لکھا ہے جو اس وقت تک موجود تھا۔ فردوسی نے اگرچہ شیرین کے حالات مشرقی طور پر بیان
کیے ہیں۔ مگر اس کے اشعار سے جا بجا مولانا نظامی کے بیان کی تصدیق
ضرور ہو جاتی ہے۔

نظامی نے اپنی مثنوی میں جو واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ ہیں کہ آرمین اور
گرجستان میں جان کے حسن و جمال کی ساری دنیا میں شہرت سب ان دونوں

مہین بانو نام ایک ملکہ فرمان روا تھی جس کے پاس شہیدین نام ایک خاص نسل کا گھوڑا تھا۔ اور وہ اس قدر تیز اور سبک خرام تھا کہ کوئی گھوڑا اس کی گرد کو نہ پاتا اسی ملکہ کی بھانجی اور ولیہ عہد شیرین تھی جس کو عیش و عشرت کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ شترانسی دوشیزہ بہ جمال و ماہ طلعت ناز آفرین درمہ چین لڑا کہ اس کے ساتھ رہیں۔ اور ہمیشہ وہ کوہ قاف کے پُر فضا مرغزاروں میں سیر کرتی تھی جہاں کی بارہ مزہ دے جاتی وہاں ٹھہر کے جام عیش پیتی۔ سہیلیوں کے ساتھ ٹھیلتی سیر و شکار میں مصروف ہوتی۔ اور جب خوب جی بھر کے لطف اٹھا لیتی تو کسی اور وادی کا رخ کرتی غرض باغ عالم کی بارہ دیکھنے کے سوا اسے کسی چیز سے تعلق نہ تھا۔ جو لوگ اسے اور اس کی سہیلیوں کو گین کسی وادی میں دیکھ پاتے۔ اکر یہ انسان مہین کوہ قاف کی پر یان کلیلوں پر ہیں۔

شیرین بہت قریب و جوار میں مشہور ہوئی۔ جن پرست نوجوان اس کی ایک جھنڈ سے ملنے لگے۔ اور آخر یہ خبر اڑنے لگے خسرو پر دیند کے کان تک پہنچ گئی۔ اور اس نے اس سال وادی عہد تھا۔ وہ سنتے ہی عاشق بنیاب ہو گیا۔ اور اس نے شاپور کو روانہ کیا کہ کسی تدبیر سے اس فتنہ دوران پری تو وادی میں اڑالائے۔ شاپور بڑا ہوشیار و ذہین و طباع صاحب علم و فضل اور بہت منصور تھا۔ سفر کرتے کرتے جہان میں گیا اور وہاں سے تہ لگا کے کوہ قاف کی اس وادی میں پہنچا جہاں حُسن شیرین کی کرشمہ ساز یون نے ایک عالم کو محجرت بنا رکھا تھا۔ شاپور نے پرویز کی کئی دلکش و دل فریب تصویریں تیار کر لی تھیں۔ جس وادی میں شیرین تھی اس کے خیمے کے قریب ہی رات کے اندھیرے میں جا کے ایک تصویر کو کسی درخت میں لٹکایا۔ صبح کو شیرین اور اس کی سہیلیوں

نے اُس تصویر کو دیکھا تو گھبرائیں۔ اور اس راز کی جو باہر میں مگر کچھ نہ سمجھ سکیں۔
دوسرے کہہ کے مال دیا۔ دوسرے دوسری واوی میں لکین وہاں بھی شاہ پوری
چالانی سے وہی تصویر ایک درخت میں لٹکتی تھی اور تیسرے دن تیسرے مرغزار میں
بھی اُنھیں وہی تصویر آویزان نظر آئی۔

اب شیرین نہایت ہی مرعوب و محکوم اور دل میں اس صورت پر فریفتہ تھی سہیلیاں
الگ بہ حواس ہو رہی تھیں اور کسی طرح بھید نہ کھلتا تھا آخر اسے قرار پائی کہ اب
کسی سے اس تصویر کا راز دریافت کرنا چاہیے اور شیرین نے رسیا تھوڑیوں کو حکم
دے دیا کہ "جو کوئی ادھر سے گزرے اُس سے اس تصویر کا حال پوچھو" اب
موقع کے میان شاہ پور نہایت ہی تہذیب و بے تعلقی کی صورت میں نمودار ہوئے
شیرین کی چند سہیلیوں نے دوڑ کے یہ راز پوچھا اور آپ نے تصویر کو بہت ہی
بے لوثی کے طور و ن سے دیکھ کے کہا "اول تو یہ راز سننے کا نہیں اور کہا بھی

تو تم سے بیان کرنے کا نہیں جو" اور کیوں نے یہ حال آ کے شیرین سے بیان کیا تو اُسے اور
حیرت ہوئی اشتیاق اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ نہ رہا گیا بے تکلف خود دوڑی گئی اور
کہا "آپ اس تصویر کا راز ان لڑکیوں کو اگر نہیں بتاتے تو مجھے بتائیے" شاہ پور نے
سر سے پاؤں تک اسکی صورت دیکھی۔ اور ادب سے جواب دیا "گر میں اس راز کو
آپ کی ان سہیلیوں کے سامنے نہیں بیان کر سکتا" شیرین نے فوراً سب کو ہٹا دیا
اور تنہائی میں شاہ پور سے یہ بھی کہہ دیا کہ "میں اس شخص کے شوق میں بیابا ہو چکی
ہوں۔ خدا کے لیے جلد ہی بتائیے کہ یہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

شیرین کی زبان سے یہ کلمات سن کے شاہ پور دل میں خوش ہوا کہ میرا
جادو اثر کر گیا۔ اور اپنی تجربہ کاری و جہان گردی کا اظہار کر کے کہنے لگا "یہ تصویر دولت
سامانی کے ولی عہد اور حاکمیت عجم کے دارش تاج ولیکن خضر پور کی ہے" اور اس کے بعد

بروز کی شنا و صفت جو بیان کرنا شروع کی تو سلسلہ ختم ہوئے ہی کو نہ آتا تھا تعریفوں
 کے نل باز نہ دیے اور تصویر دن کے ذریعہ سے جو جنگاری شیرین کے دل میں ڈالی تھی
 اسے دھونکتے دھونکتے اس شدت کو پہونچا دیا کہ شعلے اٹھنے لگے اور ان کی حدت
 سے قیاب و بقیہ از ہون کے شیرین نے کہا "افسوس اب میں کیا کروں؟ نہ کوئی موس
 و انیس چر نہ کوئی ہدم و ہمار نہ اور بات ایسی نہیں کہ زبان پر لاؤں تم ہی کوئی ایسی
 تدبیر بتاؤ کہ دل کو قرار آئے یا شاید پورے پہلے تو مالا لگ کر جب اسے حد سے زیادہ قیاب
 پایا تو کہنے لگا "ملکہ سح یہ ہے کہ شاہزادہ پیر ویز آپ سے زیادہ آپ کے مشتاق اور
 آپ کے شوق وصال میں قیاب ہیں۔ اور میں اُنھیں کا پیچھا ہوا آیا ہوں۔ یہ تصویریں
 آپ کی گزر گاہوں میں لٹکائی تھیں تاکہ آپ کو ان کی طرف متوجہ کروں۔
 یہ شہ فرما ہر صیبت کے جھیلنے اور ہر حیر کے چھوڑنے کو تیار تھی۔
 تاکہ کے یہ تدبیر بتائی کہ "انبار از کسی سے نہ
 کے شکار کرنے کی اجازت
 کہو سیر کرتی ہوئی سر
 مانگو۔ اور جب وہ اجازت دین تو اس
 کے ساتھ چو پھر اسے ایڑ بتا دو۔ اور ایران کا راستہ
 نہ پائے گا۔ اور ہم چند روز میں برائے پہونچ جاؤ گی۔ وہاں سید
 محل میں جا نا اور دیکھ لینا کہ ان تصویر دن سے برابر جہاز زیادہ اس کا حق
 جمال اور اس کی خوبیاں ہیں یا نہیں؟ وہ صورت دیکھتے ہی تمھیں ہاتھوں ہاتھ
 لے گا۔ تمھارا غلام بن جائے گا۔ اور جو کہو گی وہی کرے گا۔
 اور شاہ پور کے آنے کے بعد تدبیر یہ اقتاد پڑی کہ اس وقت کو سپہ سالار
 عجم بہرام جو مینہ کو جو خاندان شاہی سے تھا تاج و تخت چل کرنے کی ہوس ہوئی
 اور کوشش کرنے لگا کہ خسر و پیر ویز کو باپ کی نظر میں شہر باغی ثابت کر کے

خود، لی عہد سلطنت میں بن جائے۔ چنانچہ اس نے پرویز کے نام کے سگے بھوکے
مختلف شہروں میں بھینسا دیے۔ مشہور کر دیا کہ پرویز نے باب کی زندگی میں
اپنا سگے بھائی کر دیا۔ اور اس لیے شہر میں کوادھر تو جہ دلا کے بیٹے کو خلائ کر دیا تا کہ
وہ پیش باب سے چند روزوں میں آکر پرویز کو اسی وقت گرفتار کر کے حاضر
کر دے۔ مگر کسی خبر نہ آئی۔ اور وہ دن سے پہلے چھپٹ کے پرویز کو خبر کر دی۔ وہ
بڑے بھلا لگا۔ مگر جسے وقت محل کی منتظر محلاتوں کو حکم دیا گیا کہ شیرین الم کی
مرتبہ میں سے جو چھٹی ہوئی ہے تو اس کی عزت و حرمت کرنا۔ اور اس کے حکم کو بجا لانا۔
پرویز نے مگر یہ دیکھ کر ارادہ کیا کہ گرفتار کی راہ لے اور عین بانو کے مکان
پر شیرین مرہ میں سے ملے۔ اسے میں ایک جتنی پروہ و لون نے ایک دوسرے
کو دیکھا۔ شیرین اس جتنے میں ان کے ہماری تھی کہ پرویز جاہو نجاہ و لون ایک
دوسرے کے دیر سے متاثر ہوئے۔ مگر چونکہ نہ پہچانتے تھے اور نہ کوئی تعارف کرانے
کا اندھا د و لون مشاقون نے دل میں کہا جس کے شوق میں ہم جاتے ہیں وہ وہاں
سے نہ آوے۔ صاحب جالی ہے اور اپنی اپنی راہ لی۔ شیرین پرویز کے محل میں پہنچی اور
انہوں ہاتھ لی گئی۔ مگر پرویز کے نہ ہونے سے بدخاست خاطر ہوئی۔ اس کے محل
میں دل نہ لگا۔ آب و ہوا موافق نہ آئی۔ چنانچہ اس کے حکم سے مکان سے دور
ہاٹوں اور گھائیوں کے اندر ایک عانی شان قصر تعمیر کیا گیا جس میں
ٹھہر کے وہ خسرو پرویز کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

ادھر پرویز گرفتار میں بہو نجاہ میں بانو نے حاضر ہو کے سر نیاز بھجا یا اپنا
مہمان بنایا۔ سجا بجا کی سیر کرائی۔ اور ہر طرح کا سامان عیش فراہم کر دیا۔ مگر خسرو کو بغیہ
شیرین کے چین نہ آتا تھا۔ اسی اثنا میں شاہ اور اس سے آگے ملا اور اسے روانہ
کیا کہ تیرا کن میں جا کے شیرین کو واپس لائے۔ شاہ پور گیا۔ اور شیرین کو سجا بجا کے

اور پیر وینہ کا شوق دلا کے گرجستان کی طرف لے چلا۔
اس درمیان میں بدخواہوں نے بادشاہ ہرمز کی آنکھوں میں سلائی پھیر کے اُس
اندھا کر دیا۔ اور وہ سلطنت سے دست بردار ہونے پر تیار ہو گیا۔ اس کے
ساتھ ہی اُسے پیر وینہ کی بے گناہی معلوم ہوئی۔ فوراً لوگ دوڑے کہ پیر وینہ کو
لا کے تخت پر بٹھائیں۔ دھونڈھتے اور پتہ لگاتے ہوئے گرجستان میں پہنچے۔
ہرمز کے نابینا کر دیے جانے کا اجرا سنا یا۔ اور تاکید کی کہ جلدی حل کے تخت پر
بیٹھے۔ ورنہ دشمنوں کو دراندازی کا موقع مل جائے گا۔ ان لوگوں کے مشورے
سے پیر وینہ دلائن میں واپس آ کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ اور شیرین
نہ خیمہ ہونچ کے ندامت کے ساتھ ہمیں باوا اور اپنی سہیلیوں سے ملی۔ ہر حال
۱۰۔ اب ان عشق کو ملنے کا موقع نہ ملا۔ شیرین گرجستان میں
رائن میں ساسانی سریر شاہنشاہی پر۔
سروہن رہی۔
پیر وینہ کی تخت لیبسی۔
باب کو اندھا کر دیا۔ اور ایسا ناخلف بنے۔
اس واقعے کو اس نے اس وجہ شہرت دی کہ سارا
اور ایسی نازک حالت میں تہرام فوج لے کے چڑھا آیا۔ پیر وینہ
بنی۔ تاج و تخت چھوڑ کے بھاگا۔ اور شیرین کے شوق میں پھر گرجستان
راہ لی۔ اب کی نہیں بلکہ کسی قلم و بین پہونچ کے وہ اپنی محبوبہ شیرین
سے ملا۔ دونوں ایک دوسرے کے رنج و ریا کے پر وائے بن گئے۔
اور مسلسل جتن منائے جانے لگے۔ مے اور خوانی کا جام گردش کرنے
لگا جنگ و ارغوان بچا۔ اور ہر وقت محبت عیش گرم رہتی۔
دونوں کی صحبت کا رنگ اور ان کا میل جول دیکھ کے ایک دن

ہمیں بانو نے تہائی میں شیرین کو سمجھایا کہ حسن و جمال کے غرور شباب کے
 نشے اور عشق و محبت کی تہ نگ میں آپ سے نہ گزرا اور شاہزادہ دن کے
 ہاتھ کا کھلو نہ بن۔ تیرے دینا اگر آریاں کا شاہزادہ ہے تو تو بھی اگر جہان اور
 آرمین کی شاہزادی ہے۔ لہذا اپنی اس عزت و حرمت کو ہاتھ سے نہ دے اور
 تیرے دینے کا یہ عشق اسی وقت تک ہے جب تک اسے تجھ پر تھا بونہیں ملتا۔
 دینا بھی وہ کامیاب ہو گیا تو پھر تیری حالت اُنہیں لونڈیوں اور کھنڈوں
 کی سی ہو جائے گی جو شاہانِ عجب کے محلوں میں بھری رہا کرتی ہیں۔ اپنا
 بھلا چاہتی ہے تو تیرے جب تک غلامہ اصولِ شرع سے بچے اپنی مکہ نہ بنائے
 اور خاص محل بنانے کا وعدہ نہ کرے اُس وقت تک اسے اپنے بندے
 میں ہاتھ نہ لگانے دے شیرین نے ہمیں بانو کی نصیحت پر پوری طرح عمل
 کرنے کا مضبوط وعدہ کیا۔ اور بھرپور دینے کے جن عیش میں جا بیٹھی۔
 اسی طرح جنگ و ارغون کا نغمہ بلند ہوا۔ مے ارغوان کے جام
 چلنے لگے۔ صد ہا میری و شجاد و گارین شریک عیش تھیں جن کے ساتھ تیرے دینے
 و شیرین کو وہ مہرا میں شکار کھیلے۔ چوگان بازی میں مصروف ہوئے۔
 مرغزاروں کی سیر کرتے اور جس جگہ کا منظر بھاجا تا وہاں بیٹھ کے شراب پیتے
 ان محلوں میں تیرے دینے نے بارہا کوشش کی کہ شیرین کو آغوش شوق
 میں کھینچے۔ اور مے ارغوانی کے ساتھ مے وصال سے بھی سیراب ہو۔ مگر
 شیرین دور ہی دور رہتی۔ اور ہمیشہ ایسے موقعوں کو ٹال پاتی۔ آخر
 ایک دن جبکہ تیرے دینے نہایت ہی چھوڑ تھا۔ اور آرتھ سے وصال میں بدایا
 دینے قرار فرما رہا تھا۔ اس نے شیرین کو اپنی طرف کھینچا چاہا۔ شیرین نے اسے منع
 بہ صاف صاف کہہ دیا کہ میں کوئی باندہ یا غلامہ نہ ہوں۔ یہ آپا کی کوئی بندہ ہی۔

شرین نے اس کے دل و دماغ میں اتنی جگہ پیدا کر لی تھی کہ بغیر اس کے پرویز کو زندگی بے مزہ معلوم ہوتی۔ مگر دم بخود تھا۔ اور اپنے لیے پرکھتا تھا۔ اُدھر شرین بھی اس کے شوق میں حیران تھی۔ اور اپنے آپ کو بُرا کہتی کہ میں نے اس سے کیوں بگاڑی۔ خلاصہ یہ کہ عشق نے دونوں پر جوش و لہو میں آگ لگا رکھی تھی۔ خسرو رات دن شرین کی یاد میں بیٹھتا۔ اور شرین خسرو کے فراق میں زار و قطار روتی اور انگاروں پر لوٹتی تھی۔ اتنے میں مہینے باندھ گئی۔ اور اس کے تاج و تخت کی داریت شرین ہوئی۔ بھوپ بھی کے مرنے کا شرین کو بڑا غم ہوا۔ اس لیے کہ اب اگلی تاریخ البالی رخصت ہو گئی۔ اور ملکی ذمہ دار لہو کا بار خود اس کے بازو پر اور دیکھے ہوئے دل پر پڑ گیا۔ اسی اثنا میں شاہ پور جس نے پہلے پہل اس کے سادے دل میں محبت و عشق کا ذوق و شوق پیدا کیا تھا پھر بوجھ اور جب اس کے سامنے شرین نے اپنا در و دل ظاہر کیا تو اس نے کہا "جو حال آپ کا ہے وہی تاجدار عجم شہرِ پرتیوین کا بھی ہے۔ مجوری سے مریم کے ساتھ بنا رہے ہیں۔ اصل میں وہ امیر آپ ہی کی زلف گر بگر کے ہیں۔ مناسب تدبیر یہ ہے کہ آپ سلطنت کو کسی معتبر شخص کے قبضے میں چھوڑ کے ایران میں چلیں۔ اور کوہ بے ستون پر اپنے قصر میں رہیں۔ آپ جب وہاں قریب موجود ہوں گی تو مریم کا لہجہ زور نہ چلے گا اور ہمارے بادشاہ آپ ہی کے ہو جائیں گے۔" شرین نے یہ تمہید پسند کی۔ مدار المہام سلطنت اپنے ایک غلام کو بنا کے حکومت و فرمان برداری اس کے ہاتھ میں دی۔ اور خود دست بردار ہو کر سوار ہو کے جو کچھ مال و دولت اور زر و جواہر خزانے میں تھا

ساتھ لیا۔ اور شاہپور کی رفاقت میں ملک ایران کی راہ لی۔ اور ستارہ سفر طے کر کے اپنے قصبہ بے ستون میں دو تندرہ شان و شوکت سے رہنے لگی۔ لیکن مہر محمد علی کی اس قدر سخت نگرانی کرتی تھی کہ شیریں کو جہان آئے

ایک مدت ہو گئی۔ مگر دونوں دل از دستا وادہ عاشقوں کو ایک دوسرے کا دیدار بھی نہ نصیب ہو سکا۔ جس کو اور شیریں اپنی اپنی جگہ پر دونوں مضطرب تھے۔ مگر زور کسی کا نہ چلتا تھا۔ فقط شاپور جا کے پردہ سے ملتا۔ اسی کے ذریعے سے دونوں میں نام نہ و پیام کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور وہ بھی اسی رازداری کے ساتھ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

آؤ ایک دن زندگی سے عاجز ہو آئے خسرو پر دینے کے لئے خود شام اور التجا کے لئے میں کہا
آؤ میں ہر شے کو اپنے محل میں لا کے رکھوں میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ

تھوڑی دیر نہ بناؤ۔ اگر شرم نہ ہے عقل نہ سمجھو کہ خود تہا ہے یا تو رقیب عورت کو بھڑکے پہلو میں لائے۔

ایک دن رکھو یا تو میں نے پھر اصرار کیا تو وہ مارے غصے سے کہنے لگا کہ
 اور غصے سے جواب دیا کہ یہ قیامت تک نہ ہو گا۔ میں بھی گولیاں
 نہیں پھینکی ہوں۔ سنو میں صاف صاف کہتی ہوں اور تمھارے کان کھولے
 دیتی ہوں کہ شیرین نے میرے محل کے اندر قدم رکھا اور اس پر برا نہ دینے
 چاہتا تو گلے پکچھا تھی ڈال کے اپنی جان دے دوں گی یا یہ سن کے خسر
 پر ہوش جا گئے رہے۔ اور پھر کبھی مریم کے سامنے شیرین کا نام زبان
 پر لانے کی جس سہرا نہ ہوئی۔ نہ تھ ہی مریم نے اور نہ یادہ دیکھ بھال

شریعہ کی اور اب نسرو کی اتنی مجال نہ تھی کہ چند گھڑیوں کے لیے بھی اس سے جدا ہو سکیے۔

آخر جب بروز کا تمیز پر کوئی زور نہ چلا، غرات شیرین میں بقواری و میٹابی
حد سے گزرتی تو ایک دن اُس نے شاپور کی بلا کے کہا «ابا کو صبر و شکیب
کی طاقت نہیں، مطلقاً عذاب ہے۔ اور زندگی بے مزہ۔ تم ہی جیشہ کام آیا
کیے ہو اور آج نہیں نے شیرین کے شمع رخسار کا یہ روانہ بنایا ہے۔ تم میری خوشامد
دورانہ کی بے عزتی و ذلت گوارا کی، مگر وہ ایسی سنگین ہے کہ کسی طرح میری حالت
نارادر میرے دل بے قرار پر اُس سے ترس نہیں آتا۔ اب ہم مجبور ہیں کہ اُس سے فرار
دے گئے اور اُس سے چھپائے آرزو سے دل چاہ کرین۔ شاپور کی کسی حکمت
اور کسی تدبیر سے شیرین کو ہمیں بدلہ دے اور چٹا پھیا کے بیان لاؤ تا کہ مریم
کا منہ کالا کر کے ہم اسی محل میں صحبت عیش گرم کریں اور شیرین اور میں دونوں
ایک دوسرے کے وصال سے شاد کام ہوں شیرین جو کہ جیشہ شاپور کے پھیلانے
میں آگئی تھی۔ اُس نے وعدہ کر لیا کہ میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ اور شیرین کو
لے آؤں گا۔

یہ وعدہ کہ کے شاپور کو سب ستون پر تھمے شیریں مین پہنچا اور اسیر عشق
کلکارت میں دگر خیمہ لگا کر کھڑا کیا۔ تو ان باتوں میں اس سے یہ حال ہوا کہ خوشی و غم کے
وصل کا شوق دل میں نہ رہ گیا۔ بیان نکاس کہ حرفِ عطف زبان سے نکل آیا۔
اور کہا اب اقریم نہیں رو پیاتی اور اس حرجِ خللی انداز ہے گو اس کے
دل کو آزاد ہو چکا ہے اور گویا رز و کو خواب میں ملائیے کے لیے آپا بیسیا
بل لیجے اور میرے ساتھ رہی اسی بے رحم موت کے عقل کے اندر صل کے جان پناہ سے
لے۔ اور چپکے چپکے صحت جیست گرم کر کے با مراد اور نشاد کام ہو چکے

ایک دن کھلے گا اور سرخیم کو معلوم ہو گا تو ابھی بے بسی دیکھ کے کسی انجنیروں پر
 لوٹے گی؟ شاور کے یہ الفاظ سن کر شیرین کو غصہ کیا۔ چہرہ رخ ہو گیا۔ آنکھوں
 سے شعلے نکلنے لگے۔ اور بولی کہ تم نے یا تمھارے بادشاہ نے مجھے سمجھا کیا
 ہے؟ میں کوئی آوارہ خانگی ہوں یا بازاری کسی؟ جو تم یوں بے شرمی و بے
 حیائی سے میری آبرو لینے کے درپے ہو؟ سنو میں بھی ایک وسیع ملک اور
 ایک سرسبز و شاداب سرزمین کی ناز پرور ہوں۔ لکھ ہوں۔ مجھے نہ تہ و نہیز کی
 سلطنت کی پروا ہے۔ نہ اس کے تاج و تخت کی۔ میں محبت کی دیوانی اور
 بغلت کی بندی ہوں جس کی بدولت اپنی سلطنت اور تاج و تخت چھوڑ کے
 آوارہ و راستے بھٹکے سے کوسوں دور غیر آباد ہاڑوں اور دیوانوں میں
 اپنا دل ڈال دیا۔ کہ جتنی ہوں کہ شاید قسمت کسی دن موافق ہو تو نظام
 اور سفر کی زنجیریں توڑ دوں۔ مگر تہ و نہیز کے دل میں ایسا باپاک ہے جاتا
 اور ایسے بے شرمی۔ یہ سب کچھ اس کی بالکل پروا نہیں۔
 اس سے کہو کہ تیرا تاج و تخت بھڑکے گا۔ اس سے کہو کہ تیرے محلے مبارک
 پر خیال دل سے نکال ڈالے۔ اور پھر بھی میرے اس لیے کچھ نہیں ہوگا۔
 میں خنجر ڈال ڈال انفس میں کسی بد نصیب ہوں؟ اور کسی تباہی کا شکار
 کہ تیرے محل میں آئے اور خسر و کی دیوانی بن کے اپنی زندگی خراب کی؟ میرا
 جوانی برباد ہوئی۔ میرا عیش و آرام خاک میں مل گیا بس اسے لے رہ گئی ہوں
 کہ بہانے کے ہاڑوں میں بیٹھ کے عزم کے مرنے کا انتظار کروں اسے جام
 عیش پہنچے دیکھوں۔ اور خوں کے گھونٹا پیوں۔ شاور پر یاد رکھو کہ یہ من
 مہ جادوں کی مگر اس بے عزتی اور ذلت و رسوائی کو ہرگز گوارا نہ کروں گی۔
 یا تو پرویز کی شکوہ صبی بنی۔ اس کی معززہ محبوبہ۔ اور اس کی خاص لکھنوں کی

اور یا اسی حرام نصیبی میں جان دوں گی۔ پردہ ویز سے کہہ دو کہ اگلے عیش اور اگلی
 صحبتوں کو بھول جائے۔ اور یہ سمجھے کہ شیرین مر گئی۔ اب اگر اُس نے کبھی یہاں
 آنے کا بھی قصد کیا تو تہ لہون گی۔ اس قصر بے ستون کے اندر نہ قدم
 نہ رکھنے پائے گا۔ اور نہ کبھی شیرین کی صورت دیکھے گا۔ اور نہ خبردار تم کبھی
 یہاں آنا۔ میں نے تم کو اور تمہارے بادشاہ دونوں کو چھوڑا یہ سن کے شاپور کو
 ساری زبان آوری و مکاری بھول گئی۔ اُس کی خوشامد کرنے لگا اور کہا کہ مریم
 کی طرح تم بھی اپنے پنجان و ستم زدہ عاشق کے حق میں لے رحم نہ ہو جاؤ۔ اسکی
 زہدگی خراب ہے۔ نہ راتوں کو غید آتی ہے اور نہ دن کو کسی حال میں چین پڑتا ہے بلکہ جہاں
 آپ بھر آرام میں ہیں۔ یہاں ایک کونے میں خاموش بیٹھی ہیں اور کوئی آپ کے افکار
 و مشاغل میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ اس اطمینان سے بھی محروم ہیں۔
 شیرین نہ ہوں مجھے کیا؟ میں اس کی ذمہ داری میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔
 اور صاف غفلتوں میں کہہ دیا تھا کہ مجھ سے اُن سے کس طرح اور کس صورت میں بچ سکے
 گی اسی پردہ گر کے چلے گئے۔ اور قسطنطنیہ میں جا کے مریم سے شادی کر لی۔
 شاپور نے اچھا تم کو دیا جان چلنا نہیں گوارا ہے تو میں خود حضرت جہان پناہ کو
 یہاں لے آؤں؟ وہ کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ کر کے ضرور آئیں گے۔
 شیرین ہرگز نہیں۔ اب تو جب تک مریم ان کے محل میں موجود ہے تو شیرین کا
 دروازہ اُن کے لیے نہیں کھل سکتا۔ اُن کو منع کر دینا کہ ہرگز ادھر کا قصد نہ کریں
 اور آئیں گے تو نامزد و آپس جائیں گے۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ اگر میں یہاں تباہی لگائی تو ایچڑ میں جلی
 جاؤں گی شاپور شیرین کی آشفیتہ مزاجی و برہمی دیکھ کے خاموش ہو رہا۔ اور تھوڑی دیر کے
 بعد واپس چائے یہ سب گفتگو ختم و پرویز سے بیان کر دی۔ اسے متشوقہ شیرین ادا
 کی۔ اس نے بھی سے بڑی مایوسی ہوئی۔ اور پھر اُسی طرح اُسکی یاد میں سر دھننے لگا۔

اب شیرین اپنے قصر بے ستون میں اور خسرو پرویز اپنے دیوان شہزادی میں ایک دوسرے کے شائق اور ایک دوسرے کے غم خیزان میں مبتلا تھے کہ ایک نیا گل کھلا۔ شیرین کو نزاکت طبع کی وجہ سے دودھ کے سوا کوئی غذا مرغوب نہ تھی۔ اور اس کا قصر ہمارے ایک ایسے ٹیلے پر تعمیر ہوا تھا۔ جس کے چاروں طرف گہری گھٹیاں تھیں اور سنگستانی نشیب و فراز اور کھستانی چیدگیوں کی وجہ سے وہاں تک پہنچنا دشوار تھا۔ اور چرچا جانا چاہتا دیر میں پہنچ سکتا۔ یوشیون کا گلہ ایک ایسے مرغزار میں تھا جہاں سے قصر میں تازے دودھ کا پہنچنا بہت ہی مشکل تھا۔ جو لڑکیاں روزانہ دودھ لانے پر تھیں ان کو بڑی محنت پڑتی اور پھر بھی دودھ وہاں پہنچتا نہ تھا۔ اس کی شکایت شیرین نے شاپور سے کی اور کہا، یون تو میں اگر دودھ نہ ملنے سے اور ہلاک ہو رہی ہوں چراگہ تک کوئی ایسا سیدھا اور آسان راستہ نہ ملے گا کہ میں آسانی سے دودھ لے آؤں اور اگر دودھ کے بیان پہنچنے کا کوئی شاپور نے کہا میرا ایک بچہ ہے۔ ان کا نام نائین دنیا ہے میں کوئی اس کا اور کوہن ہے۔ پھر اس کے آگے نمونہ ہے۔ ان کا نام نائین دنیا ہے میں کوئی اس کا درمقابل نہیں۔ اگر اس سے کہا جائے تو مجھے یقین ہے کہ چراگاہ کے مرغزار سے حضور کے قصر تک ایک ایسی نہر کھود دے گا کہ اس میں اگر وہاں دودھ ڈالا جائے تو وہ بھر میں سب کا سب بیان پہنچ جائے گا۔ شیرین نے کہا اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ تو اسے بلواؤ شاپور نے کہا بہت خوب۔ اور دوسرے دن فریاد کو لاکے قصر شیرین کو دروازے پر کھڑا کروایا۔ شیرین حلق کی آڑ میں چھٹی سانسے فریاد کو عزت سے بٹھایا اور اس سے اپنی ضرورت بیان کی۔ شیرین کی آواز ایسی دلکش تھی اور اس میں اس بڑا کانونہ تھا کہ جو سننا فریاد جاتا

چنانچہ اُسکی آواز سننے ہی فریاد دل ہاتھ سے کھو بیٹھا اور اس سے کچھ ایسی بیانی پتیلی
 غلام ہوئی کہ شیرین بھی سمجھ گئی۔ اور ایک ازرواند کے لہجے میں اُس سے فرمائش کی کہ یہ
 نگے کی چراگاہ سے اس قصر تک ایک ایسی صاف اور سیدھی نہر کھود دو کہ دو دو دو دو
 ڈالا جاسے تو دھرمین یہ کہ بیان آجائے۔ اور یہ نصیبت دور موجود وہ کہ نہ ملنے
 سے پیش آرہی ہے یہ فراد کے دل نا صبور کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ فوراً قبول کر لیا اور
 تیشہ کندھے پر رکھ کے چلا نہ معشوقہ دل رہا کہ حکم کی تعمیل کرے۔

فوراً اُس نے چراگاہ سے قصر تک ایک سیدھا خط قائم کر کے اونچی چٹانوں کو کاٹنا اور
 پتلی گھائیوں کو پافنا شروع کیا اس جان کاہ کام میں بہر وقت شیرین کی آواز اس
 کے کان میں گونجتی رہتی۔ اس کی خیالی تصویر آنکھوں کے سامنے ہوتی۔ اور تیشہ
 کی ہر ضرب شیرین کا نام لے کے لگاتار غرض دل میں ایسا ذوق و شوق تھا کہ عشق
 کی مہم نمائی نے ایک ہی مہینے میں اُس کے ہاتھ سے جو شیر جاری کرادی ساتھ ہی
 سارے کوہ و دشت اور گرد و نواح کی بستیوں میں اس کے عشق کی بھی شہرت ہو گئی
 ہر گھر میں اُس کے واقعے بیان کیے جاتے اور ہر زبان پر اُسکی بیابان کا تذکرہ تھا۔ اس
 نہر کو اول سے آخر تک سنگ رخام جڑے اور ایسا مناسب ڈھلاؤ قائم کر کے اس خوش
 اسلوبی سے بنایا تھا کہ جو دیکھنا نقش حیرت بن جاتا۔ اس نہر کی مسافت تقریباً دو سو
 یا پانچ میل کی تھی قصر کے پاس سنگ غلام کا ایک خوبصورت حوض بنایا تھا جس میں
 دو دروازے جمع ہو جاتا۔ اور چراگاہ سے اس کی گوالین بننا دو دروازے ڈالین ہر کے
 قصر کے حوض میں بہتے جا رہے تھے۔

شیرین نے اس نہر اور حوض کو دیکھا اور اُس کے ذریعے سے آپ سے آپ دو
 پہنچنے کی تہمت ہی خوش ہوئی۔ فریاد کو اپنے سامنے ملا کے بے انتہا شکر ادا کیا۔
 اس کے کمال کی حد سے زیادہ تعریف کی اور کمالوں کی آفتوں میں چند نسل شب چراغ

رگوں میں بہا نکال گئے اُسے دیے اور کہا میری شکر گزاری کی یاد گار میں اس ہدیے کو قبول
 کیجئے۔ فرما دئے شکر کے ساتھ اُن جواہرات کو لے لیا مگر لیتے ہی شیرین کے قدیموں
 پر ہنچاؤ کر کے ڈال دیا۔ اور بیان سے اٹھا تو جوش جنوں میں کوہ میاں کی راہ غی -
 ہر قدم پر شیرین کا نام لے کے چکا رہا۔ غم فراق میں سینہ کو پی کرتا۔ اور انسان کی صورت
 سے بھاگتا۔ چند ہی روز میں کوہ دھرا اُس کی آہ زاری سے گونج اٹھے۔ اور دنیا
 بھر میں اس کے عشق کی دھوم مچ گئی۔

اب لوگوں نے یہ خبر سہ دینے کو ہونچائی اور کہا اُس کے آفتاب نہالوں سے ہاڑ دن کے
 سینے شق ہوئے جاتے ہیں تو شیرین کے نازک دل پر کہاں تک اثر نہ ہوگا خسر و پر دینہ
 کے بہت پریشان ہوا۔ پہلے امادہ کیا کہ اپنے اس کوہ گن پر قیاس کو مروا ڈالے۔
 کہ خونِ خطہ سے خالی نہیں تھا ہدیے کے کوہِ عدشت میں جہا
 نے دھوم مچا رہی تھی۔ اس لاؤ۔ دیکھو تو کیسا آدمی ہے۔ لوگ گئے پہاڑوں
 کی خاک چھان کے۔ اچھو تھیں صاحب تاج و دیہم خسرو و فریز
 نے بلایا ہے۔ اس نے کہا جاؤ اپنا کام کر۔ کہ سوا کسی کو جاننا ہی نہیں۔
 نہ مجھے بادشاہ سے مطلب نہ وزیر سے میں کسی سے بات کرنے کا کہن گا۔ اے کار قاضی
 کہ حضور جانِ پناہ تھیں ملکہ جہان شیرین سے ملائیں گے۔ اور اس کو جمال
 جہاں کی تریارت کرائیں گے۔ شیرین سے ملنے کی تمنا ہے تو جہاں تار پر دینہ
 کے پاس پہنچو۔ اب کیا عذر ہو سکتا تھا۔ فرما دئے مدائن کی راہ لی اور سلا سانی
 قصر شہریار ہی میں جاکے تہہ دینہ سے ملے۔ تہہ دینہ نے اس کا وحشت ناک چہرہ دیکھا
 ایسے جنوں نہا دئے دیئے اور طرح طرح کے سوالات شروع کیے فرما دہر سوال کا تہہ
 چھٹا ہوا جواب دیا کہ تہہ دینہ اپنا منہ لے کے رہ جاتا۔ اس کے ہر کلمہ جوش اور ہر دلوں پر
 جواب پر تہہ دینہ شش کر جاتا۔ اور کوئی جواب نہ پڑتا۔ اس نے ہزار کو شمش کی

کہ فرما شیرین کے خیال سے دست بردار ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔
 پہونے پر قید کی یہ حالت دشمنی تو بہت گھرایا۔ اور پھر ارادہ کیا کہ کسی تدبیر سے
 اسے مراد ان چاہیے۔ در نہ یہ میرا پیش بے مزہ کر دے گا۔ شیران سلطنت سے مشورہ
 کیا۔ انھوں نے کہا: اس کا قتل حضور کیا؟ قدر بدنام کرے گا جس قدر کہ اس کے عشق کی
 شہرت ہو چکی ہے۔ بہت چوکا کر اسے کسی ایسے کام میں لگا دیجیے جس کا پورا ہونا غیر ممکن ہو۔ اور
 اگر اس کام کے کرنے میں عذر پائے کہ شیرین کا واسطہ نہ لائے۔ شیرین سے ملانے
 کا وعدہ کیجیے۔ خواہ مخواہ قبول کرے گا۔ پھر اس کے بندہ وہ کام کبھی ہو چکے گا اور
 نہ اس کی قربت آئے گی کہ یہ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے دربار میں آئے۔ خسرو
 کو یہ تدبیر بہت ہی اچھی معلوم ہوئی۔ اور فرما دے کہ: اچھا ایک بات سنو میرے
 راستے میں یہ کہو کہ بیستون پڑتا ہے جس کی وجہ سے مجھے اپنے مشرقی صولون میں جانا
 سخت دشوار ہے۔ تم تو اعلیٰ درجے کے مہندس اور مکتاے روزگار کو کہن ہو اگر
 تو جہاں روگے تو دم بھر میں اس ہبائ کو کاٹ کے برابر کر دو گے۔ اور مشرق کی طرف جاتے
 کا صحت ستھرا راستہ بن جائے گا۔ فرما دے اس کے قبول کرنے میں ذرا مائل کیا
 تو ترویز نے کہا: میں نہیں اسی مجبوری پر بیچال شیرین کا واسطہ دلاتا ہوں جس کے
 لیے تم نے جوے شیرجاری کی ہے کہ میرے لیے کہو کہ بیستون کو کنج دین سے کاٹ
 کے پھینک دو۔ فرما دے جو شوق عشق میں کہا: اچھا اگر آپ وعدہ کریں کہ شیرین کے
 عشق سے دست بردار ہو کر اس مجبوری کو میرے لیے چھوڑ دین گے تو وعدہ کرنا
 کہ جان تک نہ گاہے گا یہ سوال پورا کر دوں گا۔ فرما دے اس بیباک نہ در خواست
 پر خسرو کو بڑا غصہ آیا۔ مگر اس غصہ کا اظہار نہایت سبب سے معلوم ہوا۔ اور وعدہ کر لیا
 کہ اگر تم کو وہ بیستون کو کاٹ ڈالو گے تو میں شیرین کے عشق سے دست بردار
 ہو جاؤں گا اور اُسے تمھارے حوالے کر دوں گا۔

اب کیا تھا؟ فرما دینا تھشہ نے کے چلا۔ اور کوہ بیستون کو کاٹنا شروع کیا اور عشق نے اس بلا کی دھن پیدا کر دی تھی کہ گھوڑے ہی نہ مانے میں ہارٹ کو اوپر سے نیچے تک کاٹ کے بہت ہی وسیع اور صاف ستھرا راستہ نکال دیا۔ اسی قدر نہیں اس نے اپنے عشق کی فرمائش سے اس شکر کے پہلو میں چٹانوں میں گھود کے خرد پر دیز کے لشکر شکار گاہ۔ اور شیرین مہ جبین کی تصویر میں ایسے کمال چاکہستی سے بنا دین کہ دیکھنے والے عشق کر جاتے۔

فرما دین کو شیرین کا نام لے کے کے کاٹ رہا تھا کہ کسی نے جاکے شیرین کو خبر کی کہ تمہارا عاشق اس سر بقیہ ہارٹ کو تمہارا نام لے لے کے بٹے ڈالتا ہو جو اصل افعے سے آگاہ نہ تھی۔ مگر دل میں نقش تھا کہ یہ میرا عاشق جانا نہ ہے۔ گھوڑے پر ابھی چند سیلون کے ساتھ اس مقام پر گئی۔ جہاں فرما دین کو کہنی کر رہا تھا۔ شیرین کی شان دیکھے۔ فرما دین کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ مجھ پر

حور تماثل اپنے ماس - اشاد دیکھنے کو آئی ہے دوڑ کے اس کے گرد بھرنے اور اس پر صدمہ۔

ابچہ ہو؟ فرما دینے ساری ہرگزشت اور شیرین کے کہنے کا۔ اسے

پری پیکر نامہ میں یہ سب تھا اسے آفت روزہ گار حسن - باری ہے شیرین کو اس

کے حال پر ترس آیا بتلی دی نشفی کی۔ اور واپسی کے لیے گھوڑے کو چلے گھوڑا

بھڑک کے گڑا اور قریب تھا کہ ہارٹ کے نیچے جاگے اور سوار اور گھوڑے دونوں کا

پتہ نہ لگے۔ مگر فرما دینے کمال پھرتی سے بڑھ کے گھوڑے کو مع شیرین کے گود میں

اٹھالیا۔ اور عشق نے ایسی خیر معمولی قوت پیدا کر دی کہ اسی طرح اٹھالے ہوئے

اسے اُسکے قصر بیستون میں پہونچا آیا۔ اس واقعے نے شیرین کے دل پر جیسا اثر کیا ہو گا فلا

اب کوہ بیستون کا وہ قلعہ جسے کاٹتا تھا کٹ کے زمین کے برابر ہو گیا۔ اور

شرک تباری کے قریب ہے کسی نے خسرو پر دین سے جا کے کہا جہان پناہ نے کچھ اور
 بھی سنا کہ وہ بیتون کو کہہ غائب ہو گیا راستہ ہوا نہ ہوا چر اور آج ہی گل بین
 قراہ آئے تھوڑے ہی کسی نے شہر پر پورے کی۔ اب جو وعدہ تھا سے کیا گیا جو پورا کیا
 جا۔ اب کیا جو کہہ با خدا سے یہ کوئی تدریب تباہ اگر وہ آ کے کھڑا ہو گیا۔ اور وعدہ
 وفا کا تقاضا کیا تو بین کیا جواب دونوں کا ہر کسی سنگدل شیر نے کہا جہان پناہ پریشا
 نہ ہوں میں اس کام کو اپنے ذمے لیتا ہوں۔ اور اس کی نوبت نہ آنے پائے گی
 کہ فراد بیان تک آئے اس کے بعد اس شخص نے چند کیا و سنی ہو گئے کو بھیجا جو
 کوہ بے ستون پر جہان فراد کو کہی کہہ ہاتھ لگے۔ اور اس کے قریب کھڑے ہو کے
 آپس میں کہنے لگے "خوب! شیرین تو مر گئی۔ اور عاشق صاحب کھڑے کوہ کئی کر رہ
 ہیں!" یہ الفاظ نہ تھے تیر و نشتر تھے جو نہر آلود زبان سے نکلتے ہی فراد کے دل و جگر
 میں تر گئے۔ دیر تک وہ جو رفلک کا شکوہ اور اپنی نامرادی کی شکایت کرتا رہا۔ اور اس کے بعد
 وہ ہی تیشہ جس سے کہہ بیتون کو کاٹا تھا اپنے سر پر مار لیا۔ اور اسی جگہ کے جان دیدی۔
 شیرین نے عاشق نامر اور فراد کی موت کی خبر سنی تو خون کے آنسو بہانے
 لگی یہ سحر صدمہ ہوا۔ کمال اضطراب کے ساتھ خود دوڑی گئی اسے بڑے اہتمام سے
 دفن کیا۔ اسکی قبر پر ایک عالیشان مقبرہ تیار کرایا۔ اور یہ پیش ہو کے اس کے غم میں
 ماتم کرنے لگی خسرو نے یہ حال سنا تو دل میں بہت گڑھا اور آخر اس کے پاس ایک
 طعن بھرا خط بھیجا۔ جس میں لفظ لفظ پر چٹکیاں لی تھیں۔ اور خاتے پر لکھا تھا فراد
 مر گیا تو کیا ہوا اور چاہنے والے تو موجود ہیں؟
 اتفاقاً اسی زمانے میں پیر ویز کی رومی ملکہ تم گئی جس کی نسبت کہتے ہیں کہ
 خود شیرین نے اپنی نامرادی سے عاجز آ کے ساندش آئے نہر دلوادیا تھا پیر ویز اس کے

نغم میں حسب معمول سیمہ پوش تھا۔ اور تاج و تخت سے بیزار تھا ظاہر کر رہا تھا کہ شیرین کا خطا
 ملا جس میں لکھا تھا "مریم کے لیے زیادہ نہ دو کیے۔ آپ کے حرم میں ویسی بہت سی کنیزیں
 اور ایک سے ایک بدھنیں عورتیں موجود ہیں۔ نہ تاج سے بیزار ہونے کی ضرورت ہے
 نہ تخت سے نفرت ہونے کی۔ جسے خدا نے ہزاروں پریمالہ دشمن دی ہوں اس کا ایک
 کے سوگ میں سیمہ پوش ہونا اور رونابہ فائدہ ہے۔ یہ خطا پردہ کے نشروٹے کہا بیشک
 یہ سب خطا کا پورا جواب اور جواب ترکی بہ ترکی ہے"

اب پروین کے دل میں پھر جوش پیدا ہوا کہ شیرین کو اپنے محل میں لائے مگر شیرین
 نے اب بھی وہی شرط پیش کی کہ مجھ سے ملنے کا شوق ہے تو حسب آئین ساسانی کا
 شادی کے کاغذہ طریقے سے مجھے اپنی بالوں سلطنت اور ملکہ عجم بنائے بغیر
 ہی ہونا غیر ممکن ہے جسے معلوم ہوتا ہے کہ دربار سلطنت اور اعیان
 ملک کے خلاف تھے کہ کوئی بیرونی عورت جہانگیر کی منگو حلی بی
 اور ملکہ جان بی جاسے۔ اور اس سے مجبور ہو کر پروین نے ارادہ کیا کہ شیرین کے
 علاوہ کوئی اور مجبور نہ ہو۔

اُن دنوں اُس کی سلطنت زور و زور پر تھی۔ قسطنطنیہ تک فتح و نصرت کا ڈنڈہ بج رہا
 تھا اور دنیا میں کسی کی مجال نہ تھی کہ خضر عجم کی ہمسری کا نام بھی زبان پر لائے جب اسے
 کسی نئی پریمالہ مجبور کی تلاش ہوئی تو عہدہ داران سلطنت ہر طرف تہ لگانے لگے۔ آخر معلوم
 ہوا کہ اصفہان میں شکر نام ایک عظیم الشان مجبور نامزد کیا گیا۔ جو حسن و جمال میں جواب
 دیندہ تھی مگر عیب یہ کہ کسی پر بند نہیں ایک بازار عورت کی طرح ہر ادنیٰ سے ہم آغوش
 و بکنار ہوتی ہے۔ باوجود اس عیب کے خضر نے اُسے حسن کی اس قدر تعریف سنی تھی
 کہ ایک سال تک تو خاموش رہا اور کسی کے سامنے اُس کا نام بھی نہ لایا لیکن
 سال ختم ہوتے ہی اُس نے لباس شاہی امار کے معمولی امیرن کا بھیس کیا اور سب سے چھپ کے

اصفہان کی راہ کی وہاں پہونچ کے شکر کی حالت دیکھی عوام سے اس کے حالات دریافت
 کیے اور جب سنا کہ وہ ہر رات دھواڑ آغوش شوق کھول کے لٹتی ہے تو اسکے گھر پہونچا۔
 شکر کے پاس صد بارہری بیکرا اور صاحب جمال کینز بن تھین جو کوئی اسکے گھر جا تا اس
 سے بہ اخلاق بیش آتی پہونچتے ہی شکر کے لئے گلفام مٹی اور پلائی اور جب رات زیادہ آتی تو خلوت
 گاہ میں لیجاتی جان چراغ گل ہوتا اور اس شخص کی رات ہم آغوشی و کامرانی میں بسر ہوتی یہی واقعات
 تروینز کو بھی پیش آئے صبح کو رخصت ہوتے وقت تروینز نے اس سے شکایت کی کہ تم میں سب
 خوبیاں ہیں مگر یہ بڑا عجیب ہے کہ ہر شخص کے بلے آغوش شوق کھول دیتی ہو شکر نے ہنس کے
 جواب دیا کہ آپ کو بھی سارے زمانے کی طرح دھوکا ہوا میں بالکہ میں با عصمت اور
 عقیف ہوں۔ اس ہرجائی پن کے انداز سے میں زمانے کا امتحان لے رہی ہوں اصل حقیقت
 یہ ہے کہ میں لٹی تو ہر شخص سے ہوں مگر میرے بندے کو آج تک کوئی اتھ نہیں لگا سکا خدا نے جیسا
 دوشیزہ پیدا کیا تھا ویسی ہی آج تک ہوں اور یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ خلوت میں ہر شخص کی ساتھ
 جا کے میں شب باش ہوتی ہوں یہ دھوکا ہی خلوت میں جانواری میں نہیں میری کوئی کینز ہو کر رہی ہے
 یہ واقعات سن کے تروینز کو حیرت ہو گئی اس سے رخصت ہو کے ملائین میں واپس آیا۔
 اور اسی وقت حاکم اصفہان کے نام فرمان بھیجا کہ شکر کو فوراً اسوار کر کے برے پاس بھیجو۔
 اور اسکے مفصل بشرح حالات لکھو اس حکم کے مطابق حاکم اصفہان نے شکر کو اسوار کرائے
 شان و شوکت سے ملائین کے یزدان خسروی میں بھیجا۔ اور اپنی عرضداشت میں تصدیق کی
 کہ شکر حسن و جمال کے ساتھ دوشیزہ و عقیفہ ہے اور شریف خاندان کی لڑکی ہے جس کا تعلق
 میں آتے ہی حرم شاہی میں داخل ہو گئی۔ تروینز نے اسے جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا اور چند
 روز بعد اسی محبوبہ بھی شب و روز اسی کی صحبت میں رہتا اور دنیا و افہائے بھیر تھا۔
 شیرین اسی طرح اپنے قصر میں بھی رہا کرتی اس نے شکر کے آنے اور بادشاہ کی محبوبہ
 بننے کا حال سنا مگر سوا دل پر کوفت اٹھانے کے زبان سے اس کی بکھر بکھر تہنیت بھی جب

ایسی ہوئی تو اپنی قسمت پر روتی پھر ان نصیبی ترانہ دفرنا دیکر اپنی کلافوس جوانی مفت را لگان ہوئی پتہ
 کمال میں جنھیں کہ میں کہیں کی نہ رہی عہد شباب کے گزرتے رہا جبکہ بعد سال ہوا بھی تو کیا؟ اور پتہ پتہ جوانی کھو کے
 بڑھاپے میں میری طرف توجہ بھی کی تو کیا حال ہوگا؟ کبھی اپنی اس ضد پر جھجھلائی کہ میں خواہ مخواہ کو کیوں اپنی
 شہزادگی کا حق جو اسے نہیں منظور ہوگا کبھی کہتی کہ خود داری ہو چکی اب چلو اسے مانتے جو رن کہ یہ قصہ صاف
 کرو میں حال میں راضی ہوں مجھے تو بڑی ہی سچے کے پتہ پاس کہہ لو لیکن جیسا میں ان کی نصیحت یا آئی اور اپنی
 شانہ و کی کا خیال اتنا تو سب خیالات غائب ہو جاتے اور پھر اپنی ضد پر قائم ہو کے دل میں کہتی جا کر
 مر جاؤں گم کر یہ ہو گا کہ ایسی ذلت کو ارا کروں۔

شیرین کو اس پریشانی میں چند ہی روز گزرے تھے کہ پرویز کا دل شکر کی
 اسے بھر گیا اب اس سے ملنے جلنے میں وہ لطف رہا نہ اس کی ناز و اداس
 داری اور دل میں کہا جس محبوبہ سے سچی مسرت حاصل ہوا وہ جو
 ۷۔ وہ شیرین کے سوا کوئی نہیں جب یہ خیال حد سے
 زیادہ بڑھا اور ہر وقت اس پر مقرر رہنے لگی تو ایک زبردست لشکر اپنے ساتھ
 لے کے بڑے کدو فر سے اور نوے سو سے لشکر کے بہانے مدائن سے نکلا
 اور دو چار روز اور دھڑکی خاک اڑا کے قصر شیرین کے قریب جا پہونچا۔
 شیرین نے جیسے ہی بادشاہ کی آمد سنی ٹھہر گئی۔ اگرچہ دل میں حد سے زیادہ
 بیتاب بھی اور اپنی خود داری و بدسلوکی پر پچھتاتی تھی مگر جوش غصمت اور شاہی
 حیمت نے پھر بھی مشورہ دیا کہ چاہے کچھ ہونے مفت آبرو دینا نہ سب امین فوراً قصر کا
 بھاگ کر خوب مقبوضی سے بند کر دیا۔ اور دربان کو تاکید کر دی کہ خبردار دروازہ
 نہ کھولنا اسکے بعد الا خانے پر جو بیرونی میدان کے سامنے تھا پتہ بھٹ پر دے
 ڈال کے خود آ بیٹھی اور پرویز کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔
 پرویز نے یہاں پہونچنے کے جب دیکھا کہ وہ دروازہ بند ہے اور کوئی باقی نہیں

پوچھتا تو اُسے سخت تعجب ہوا اُس نے میں معلوم ہوا کہ شیرین سا سننے کو ٹھہرے یہ بھی
بے کمال ذوق و شوق سے اس کو ٹھہرے گئے لیکن جب ان کے بتیا لون کی وضع میں
کلمہ ابوانظر اُسیراٹھا کے دیکھا جب پر دون میں الجھ کر رہ گئی آخر جوش و خروش کے
لہجے میں کہنے لگا۔ شیرین! باز آخر میں شیرین! میرے ساتھ یہ برس لو کی کیوں آتا؟ ہاں کہ تم
بدر کا لہو اور چاند اور یہی ہونا ہوا۔ مگر ہوی دنیا میں لوگ مہمان نوازی کیسی کرتے
ہیں۔ پھر اُس کے ساتھ یہ بھی خیال کرو کہ میں کوئی معمری مہمان نہیں ایک
عالی مرتبہ شہنشاہ ہوں۔“

شیرین نے اوپر سے کہ ہر دم جو غروبِ اجودہ و جہدِ عوایِ سلطنت اگر
یاد رہے کہ جن سلطنت پر آپ کا نام ہے اس میں نے کسی کے عشق میں لات مار دی یہ بھی
جائے دیجئے۔ آپ کسی ملک کے فرمانروا ہیں تو میں بھی رخیل جہان جہان ہوں
دیر تک اندر آگے تکیہ ہوتی رہی۔ اور بڑے جوش و خروش سے دو قدم
کا سلسلہ جاری تھا یہ وہ بات ہے کہ آپ کو اس کی محبت کے طعنے دیتا۔ اس کے جواب
میں شیرین تمیم اور شکر کے واقعات بیان کر کے چلیاں لیتی تیرے یہ گفتار میں باہر لڑکے
اب بارگشا کہ خبر نہ تھے یہ صلوات آپ بھی کچھ نہیں گاہے عشق و شہادت کی نصرت ہوتی
ہو چہرہ نہ یہ شکیاب کا نور اور ان میں عشق کی شراب بکھری ہوئی ہے۔ میرے
آغوشِ عشق میں آکر اور میری محبت میں گرم کر دو۔ شیرین جواب دیتی اس
خوبصورت چہرہ پر محبت کے نور سے دل نہ لے سکتا تھا اس نے کہا ہوں میری شرط کو یاد
لیجئے اور یہ تو میری نصرت ہے کہ جب تک کہ میں نہ ہو جاؤں آپ کے رت پاس کرنے میں
رسوائی ہی میں نہ آجائے اور دل دیا تو آئینہ و صورت کی شہادت ہو جائے گی کہ بار بار میل
کا طالب ہوتا اور خوشامد ہوئی میں کوئی بات اٹھا نہ رکھتا۔ آخر شیرین نے ہنسی کے
قلم کھائی اور حلق کے ساتھ کہا اگرچہ آپ شہنشاہِ بحر و بر ہیں مگر میں صاف صفا

کہے دیتی ہوں کہ جب تک آپ حسب رسوم ساسانی باقاعدہ طور پر میرے ساتھ
بکراج نہ کریں گے میں آپ کو اپنے پاس نہ آنے دوں گی یا پرہیز خواہ اس پر سخت دیکھا
تو آج سر سے اُتار کے اسکے آگے زمین پر رکھ دیا۔ اور ہاتھ جوڑ کے کہا خدا کے لیے
میری التجا سنو میں تم سے یونانی نہ کروں گا۔ اور ہمیشہ تمھارا قلام رہوں گا۔ شیرین
نے کمال منتقل مزاجی سے کہا یہ سب باتیں بے فائدہ ہیں۔ پہلے بکراج کیجئے پھر مجھ
سے باتیں کیجئے۔

جزیرہ پر کو اپنی اس ناکامی کا اس قدر حیرت ہوا کہ زار و قطار رونے لگا اور
روٹا ہوا اپنی فرج میں داپس گیا۔ وہاں پہنچ کرے شالور سے کہا افسوس میں
آج اس قدر بے سنگدل اور بے مہرتہ جانتا تھا میں نے مانع تک اُتار کے زمین پر
سروانہ کی یا شالور نے کہا جہاں پناہ شیرین کوئی سبویٰ حیدرین تھیں
ہے آج اس قدر حیرت ہوئی کہ شفته دل آزار لون نے اسے اور زیادہ
سخت کر دیا ہے۔ یہ سب سببوں سے تو سہی کہ وہ کیسی مشتوقہ پر یہ حال ہے؟
اور عشوقن کا عشوہ و ناز سے کیا ہے؟

آخر ان باتوں سے خاموش ہو۔ پر ویز نے قصر شہر سے کپڑے کر دیا۔
اور بظاہر شیرین سے بگڑ گیا۔ اس کے جانے ہی شیرین کو خیال آیا کہ میں نے کتنا برا غصہ کیا ہے جس جگہ
و الے کے پیچھے سلطنت اور جوانی سچ دی ہوا ہے اسے مانع کر دیا یہ کہ اسے اپنی بددستی
پر رونے اور سخت بمقامی کے ساتھ بیچ و تاب کھانے لگی۔ ثبوت یہاں تک پہنچی کہ کہا
"بس اب ہو چکا اب مجھے نہ بغیرتی کا خیال ہوا نہ بے آبرائی کا پاس و لحاظ جس
طرح سلطنت کو چھوڑا تھا آج رنگ و ناموس اور عصمت و عفت کو بھی خیر نہ کہہ دی؟
یہ الفاظ مجھونا نہ خوش میں کہے اُس نے مروانہ بھیس کیا۔ اور ایک نہایت ہی خوبصورت

گھوڑے پر سوار ہو کے تیر ویز کے لشکر کے پیچھے پیچھے گروکار و ان بن کے چلی۔
رات کو جب لشکر عجم نے پڑاؤ ڈالا تو دو پہر تک لشکر کے انتظار کرنے لگی کہ لوگوں پر
نشتہ خواب غالب ہو گا تو قدم آگے بڑھاؤں۔

تیر ویز ہر وقت نشتہ صبا سے مخمور رہتا جس کا یہ لازمی اثر تھا کہ اس لشکر عجم
اور اس کا ہر سپاہی شراب کا دلدلہ تھا فوج کے خیمہ زن ہوتے ہی شاہی خیمے سے رات کے
ہر ادنیٰ چھو لاری تک ہر جگہ شراب کا دور چلنے لگا اور جتنے آدمی تھے دم بھر میں مست و مخمور
تھے اس وقت شیرین نے لشکر گاہ کے اندر قدم رکھا اور سیدھی شاہی خیمے کے سامنے
جا پہنچی اتفاق کی بات سب سے پہلے جس کی نظر اس پر پڑی شاہی در تھا۔ دوڑ کے
قریب آیا اور کہا "کون" "کہا کیا تباؤن کون؟" اپنے لیے پرچھپانے والی اپنے اٹھ
سے اپنے پاؤں میں کھاری مار نیوالی اور کیا کہوں؟ شاہی در آواز بجاتے ہی زمین
پر گر پڑا۔ اور کہا حضور نے کیوں تکلف کی؟ اسے راز دار جان کے شیرین نے اپنے دل
کی حالت بیان کی۔ اور کہا "شاہی در کیا کہوں دل نے مجبور کر دیا۔ اب تک بہت ضبط کیا مگر
اب نہیں ہو سکتا تیر ویز کے واپس آتے ہی میں اپنی ضد پر چھپانے لگی اور یہاں تک
قیاب ہوئی کہ بھیس بدل کے آئی ہوں کہ اسکے لشکر میں رہا، دوری اس کا جلو دکھائی
شاہی در نے کہا آپ پریشان نہ ہوں میں اسی وقت لے چل کے آپ کو لانے دیتا ہوں
وہ اگر جہنار ارض ہو کے آئے ہیں مگر یہ چاند سی صورت دیکھتے ہی پروانے کی طرح
تیار ہونے لگیں گے۔ شیرین بولی "یہ نہ ہو گا ہزار کچھ ہو جائے بھی اپنی آبرو کا خیال اجاگر
اور جہنم میں بے جہری میدا ہوئی اور ادھر ہمیں بانو کی صورت سامنے آئے نعمت ملاست
کرنے لگی۔ اس لیے مجھے تیر ویز کی محفل عیش میں کسی ایسی جگہ چھپا کے تھا دو کہ اس کی
نظر نہ پڑنے پائے تاکہ میں اس کی حالت کو دیکھوں اور اندازہ کروں کہ عیش
میں کتنے کبھی میں بھی یاد آتی ہوں یا نہیں؟"

شاہور بہت خوب بین اس کا پر لا انتظام کر دوں گا حضور شہر لدا اس وقت آرام
فرما رہے ہیں دم بھر بین اٹھیں گے اور محفل نشاء و طرب گرم ہوگی دونوں صاحب کمال
مطرب باہر اور نکلیا موجود ہیں اپنے اپنے نمبر پر مرد کا کمال دکھائیں گے شہر بار کے تخت
کے مقابل جو خوبصورت غلام دست بستہ کھڑے رہتے ہیں ان کی صف کے پیچھے میں آپ
کو بٹھا دوں گا۔ اور ان غلاموں کو تاکید کر دوں گا کہ ہوشیاری کے ساتھ آپ کو اپنی آڑ میں
رکھیں۔ وہاں سے بیٹھ کے آپ شہر بار پر بڑی بہ حالت کو دیکھیں رہیں گی۔ بالکمال مطربوں کا
گامائیں گی۔ اور آخر تک شہنشاہ کے عیش میں شریک رہیں گی۔

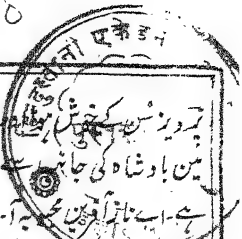
شیرین ہاں ہاں میں ہی چاہتی تھی۔ مگر اتنا اور کام کر دو کہ ان مطربوں میں سے ایک
سے پاس لائے بٹھا دو۔ اور سمجھا دو کہ میں جو اس کے پیچھے ہوں گی جو گیت اور
ادائیگی لگائے۔

شاہور نے اس سے کہا اور صحبت عیش میں صفت غلمان کے پیچھے
ایک پر تکلف قالین پر اسے بٹھا دیا اور فرمایا کہ غلاموں سے تاکید کر دی کہ خبردار
ان بیوی کو اپنی آڑ میں رکھنا حضرت۔ اس نے نظر ان پر نہ پڑنے پائے۔ اس کے بعد
اُس نے نکلیا کو لیجا کے شیرین کے سامنے پیش کیا اور اُس سے کہا میں جتن طرب کے
شروع ہوں گا آپ انتظام کر دوں گا کہ تمام خاتون کے پاس اور صفت غلمان سے ملے ہوئے
بیٹھوں۔ اور تمہارا یہ کام ہوگا کہ یہ خاتون جو گیت اور راگ بتائیں اسی کو گائے۔ اُس
نے وعدہ کیا اور غنیوں کے گروہ میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں پریویر خواب گاہ خلوت سے نکل کے آیام صحت پر جلوہ
فرما ہوا اور شاہور کو قریب بلا کے ایک کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور جیسے ہی وہ
بیٹھا کہا آہ! میں بڑا بد قسمت ہوں۔ ہاے
یہ کس نے عین مزے میں جگا دیا مجھ کو ابھی تھا خواب میں اُن کو گلے لگائے ہوئے

اسے شاپور میں ابھی خواب دیکھ رہا تھا کہ ایک نہایت پُر فضا اور زندگی بخش باغ میں
 بیٹھوں اور پہلو میں میری پیاری شیرین بیٹی ہے۔ ہم دونوں ہلکا دم آغوش ہیں اور دنیا
 و مایہ کو بھولے ہوئے ہیں وہ اپنے سلوک پر نادم ہے میں اپنے بکرا کے چیلے آئے پر
 بچھڑا تا بذائق۔ باہم دونوں عذر خواہیاں کرتے اور ایک دوسرے کی محبت سے لطف
 اٹھاتے ہیں۔ یکایک آنکھ کھل گئی اور انہوں نے خواب تھا جو کچھ کہہ چکا جو سنا انسان تھا۔
 شاپور (ادب) نے جوڑے حضور شہنشاہ نے جو چھوڑ دیکھا سوچ سہی ملکہ شیرین اپنی
 کس ادائی پر پشیمان ہیں اور حضور کو بھی فراق کی تکلیف ہے۔ مگر یہ ٹھوڑی سی دیر کے لیے ہے۔
 پھر ویرا بھئی سچ تو یہ ہے کہ وہ جیتی اور میں ہلا۔ مجھے یقین آ گیا کہ نہ مجھے اس کی سی محبت
 دانی تازہ میں ہو ہی سکتی اور نہ اُسے مجھ سے زیادہ جان نثار و عاشق زار شوہر مل سکے گا۔
 اب تو میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس کی ہر شرط مان لوں اور جس طرح بہ مقتدا سے دین اور
 ایمان سلطنت کو اس کے ملکہ عجم بنانے پر راضی کروں مگر اس وقت غم غلط کرنے کے لیے
 گنا سننے کو بھی چاہتا ہے۔ یہ کہتے ہی اس نے برہنہ و دلونڈ اور خواصوں کو حکم
 دیا کہ مے گنگوٹ لاؤ۔ اور عقیدوں کی طرف اشارہ کیا کہ گاؤ بچاؤ۔

شاپور نے مگر حضور اس وقت میری جاہتا ہے کہ دو مطرب آئے سانسے بیٹھ جائیں ایک حضور
 کا نقیب بنے اور دوسرا شیرین مجبین کا نقیب اور اسی کے مناسبہ دونوں دونوں
 کی حالت کا اندازہ کر کے اپنے نغمہ و لکشمین وہ اُن کے جذبات کا اظہار کریں۔
 اس خیال کو حضور پر دینے بہت پسند کیا اور کہا واقعی اسی طریقہ سے اس ٹھوڑی
 دل بیتاب کو چین آئے گا۔ اجازت ہوتے ہی شاپور نے میکسا کو شیرین کے پاس پر ویزے
 متبادل اور تاجر برکتو تخت کے برابر بٹھا دیا۔ اور قبل اس کے کہ بار بار سناڑ چھڑے
 میکسا نے عجیب نغمہ و لکشمین شیرین کی جانب سے اظہار عجز و ندامت کیا اور بیتابی کی
 دھن میں غما کر کیا کہ میں آتش فراق میں جلی جاتی ہوں جلدی جھرنی تو خاک ہو جاؤ گی



پرویز شیرین کے پیش رو باربد کو اشارہ کیا کہ جواب دو۔ اس نے اپنی دلکش دھن
میں باوشاہ کی جان سے جواب دیا کہ تیرے فراق نے میری زندگی بے مزہ کر دی
ہے۔ اب باقی آؤں مجھے آ۔ اور میرے دل کو تسلی دے لکھنا نے پھر ساز چھپڑا۔ اور زبان
نغمہ سے کہا میں فلک اجلال پر اہتاب تھی مگر عشق نے تیرے قدموں کی خاک بنا دیا۔
گلشن کا سب سے زیادہ شگفتہ پھول تھی مگر تیرے فراق نے گھلا کے کاٹا بنا دیا۔
اسے دلدار بے پروا میری مصیبت پر ترس لکھا اور آ۔

اس کے جواب میں باربد نے اپنا نغمہ چھپڑا اور یہ راگ الاپا کہ ساری دنیا جہان
ڈالی مگر تجھ ہی (جی) معشوقہ پر کچال کہیں نہ نظر آئی۔ کچھ میں حسن و جمال کے ساتھ
خوبیاں ہیں مگر انوس ان سب کمالات حسن کے ساتھ تو کچھ ادا اور بیوقوف ہو کر
تیرے قدموں پر گر پڑا۔ یہ نغمہ لکھنا نے تیرے حسن کے آگے سر جھکا دیا اور
غور ہی نے میری زندگی بے پروا کر دی۔ تیرے حسن نے مجھے تو میں بھی کہیں کی ملکہ باسطوت ہوں
مگر تیرے علاوہ تو اگر سیدان چمک کا شیر ہے تو میں اٹل کشیش کی شمع ہوں۔ تیرا فیض
اگر تلواری سے جہنم لیتی ہے تو میرے حسن پر عشاق خود ہی آ آ کے صدقے ہوتے لوڑ
چمک چمک کے جان دے دیتے ہیں۔ (او جو) اس کے میں تیری لونڈی ہوں۔

نغمہ بہت ویران اس صحت نشا کا ہیں۔ باربد نے کہا کہ ایک دن باربد پرویز کے
جہازات کا اظہار کرے اور دوسری طرف کھینچا شیرین کے جذبات پر اثر نہ منے گی کے ساتھ
صحت نشا و ساحت بساعت جوش بر آتی جاتی تھی۔ سامعین رقص حیرت تھے۔ اور
دونوں قیاب و لون کی بیقراریاں بڑھتی جاتی تھیں۔ پرویز شیرین دونوں نے
وحد کا عالم طاری تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ باوشاہ خود بڑھ کے باربد کو تباہا کر اب
کی یہ جواب دو۔ اور ادھر شیرین چمکے سے نیکس کو تباہی کی تباہی تھوڑی گاؤں تو بہت پاس

پونجی کراب کی جو ٹیکسا نے شیرین کے جذبات دلی ظاہر کیے تو پر دیز جوش میں آ کے کمال
 بیتابی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بار بار سے کہا ہائے ٹیکسا نے دل میں آگ لگا دی آخر جلد
 بجھا۔ اس اشارے پر بار بد نے جو جوش و خروش سے خواہی جذبات کو لگا کے سنایا۔
 تو شیرین اس پر بہ بیتابی ہوئی کہ بڑا خدائے خج اٹھی اور ایک آہ فلک دوز اس کے منہ سے نکل
 گئی۔ یہ آواز سنتے ہی خسرو پر دیز مجنونانہ دلولے کے ساتھ تخت سے اتر پڑا۔
 شاہ پور سے کہا "ہاے یہ تو میری مر بارہ شیرین کی آواز نہ تھی۔ وہ یہاں کیسے آگئی؟
 شاہ پور اس کا کچھ جواب نہیں دینے پایا تھا کہ اگلمان حسب مہموں عک عشق از پر دہ صحت بھلاں اور
 شیرین از خود رفتگی و مد موشی کے عالم میں نماؤن کی صف چاک کر کے نکلی اور دوز کے پر دیز
 کے قدموں پر گر پڑی تہ دیز اس کی صورت دیکھتے ہی رنگ رہ گیا پھر اسے اٹھا کے
 گلے سے لگا لیا۔ اور کہا "یہ میرے عشق کی کشش ہے شیرین نے عاجزی سے
 سر جھکا کے کہا "جی ہاں جس نے حق کے غرور و تار کو خاک میں ملا دیا" پر دیز نے کہا
 "اسے مجھو بہ جبین تیرے غرور حق کو دہمائی کوئی قوت نہیں توڑ سکتی ہاں۔ البتہ ہوا
 شہنشاہی کہو غرور تیرے صحن کے قدموں سے پا مال ہوا۔ اور تو نے آخر میں پوری
 فتح پائی" یہ کہتے ہی اس نے تاج اپنے سر سے اُتار کے شیرین کے قدموں پر رکھ دیا۔
 شیرین نے اس تاج کو دو لون ہاتھوں سے اٹھا کے پر دیز کو بچھا دیا اور کہا "یہ تاج
 اسی سر کے لیے ہے۔ اور میں تو ایک ادنیٰ لونہی ہوں"

مجھو بہ ناز افزن کو موافی پائے ہی تہ دیز نے چربے اعتدالی کا قصد کیا تو شیرین پھر
 پیچھے ہٹی خسرو اس پر متعجب ہوا تو شاہ پور نے کہا جہان پناہ نے ابھی اجمی جوا قرار کیا ہے اسے
 پورا کرین؟ تہ دیز نے کہا اچھا۔ اس کے بعد اٹھ روز تک اس صحرائی خیمہ گاہ میں جشن برپا
 جس میں دونوں عاشق و معشوق شریک اور اگلے اگلے رہے پھر شیرین قصر بیتون میں گئی
 پر دیز کی سہاری مائیں میں پونجی و ہاں پونجی ہی اس نے پہلے تمام ارکان دولت

اور مقتدیان ملت کو راضی کیا اور اُس کے بعد بڑی دھوم دھام سے شادی کا سامان کر کے شیرین کو حسب آئین ساسانی بیاہ لایا۔ اور ملکہ گرجستان و آرمین ساری قلمو عجم کی ملکہ جہان بن گئی۔ اور خسرو کی عیش پرستی کے باعث سارے دنیا کے سیاسی معاملات پر شیرین متصرف تھی۔

خسرو پر ویز نے شاپور کو اُس کے حُسن و خدمات کے صلے میں تہین بانو کی سلطنت اور گرجستان کا فرمانروا بنا دیا۔ اور خود محبوبہ حبیبین شیرین کے ساتھ مصروف عیش و عشرت ہوا۔ اب شب و روز محفل عیش و طرب گرم رہتی تھیں اب نو شین کا جام ہر وقت اور مین رہتا اور ہر گھڑی نغمہ طرب کا غلغلہ بلند رہتا۔ نظام سلطنت شیرین کے ہاتھ میں تھا۔ جسے شراب نے پرویز کی طرح سلطنت سے غافل و اندھ و درفتہ نہیں کر دیا تھا۔

خسرو نے عفت نے پرویز کے بال سفید کر دیے اور بڑھاپے کا انجام تین دور شرم و حیا سے دور کر دیا۔ کما عیش و عشرت کا زمانہ ختم ہوا۔ اور وہ وقت آیا کہ شہنشاہ عجم شاہان سلف کے حالات سے عبرت حاصل کرے۔ عدالت گستری و رعایا آزادی میں مصروف ہو۔ اور اس دنیا سے فانی کو ترک کر کے عقبی کی فکر میں لگے۔ پرویز نے انجام میں ملکہ کی بصیرت پر عمل کر کے حکیم زانہ بزرگ امید کو دربار میں بلوایا۔ اس سے بہت نسی نصیحتیں سنیں نجات کے متعلق اپنے شکوک و شبہات پیش کر کے تشفی بخش جواب پائے مابعد الموت کے اسرار پوچھے۔ اور لُحْذانہ اوہام کو دل سے دور کیا۔

اسی زمانہ میں حضرت سرور کائنات علیہ الخیرۃ و النعمۃ کے عواسے رسالت کا غلغلہ بلند ہوا تھا۔ اور آپ کی تبلیغ کے نعرے کی صدا ارض عجم میں بھی گونجنے لگی تھی۔ پرویز نے بزرگ امید کو چچا پٹن عربی نژاد ہادی و مدعی نبوت کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے اُس نے کہا۔ عالم ملکوت کے حق مقام تک وہ پہنچ سکتے ہیں و ان تک میری رسائی نہیں ہو سکتی لہذا میں ان بزرگ کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مگر ناظر و عرض کروں گا کہ حضور اکرم

اور اُن کے دین کو نفرت و عداوت کی نظر سے نہ کھین اور نہ اس دنیا کی تحریک کو کوئی معمولی چیز تصور فرمائیں۔ لیکن افسوس اس نصیحت نے خسرو کے دل پر مطلق اثر نہ کیا اور چند روز بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تبلیغ اُسے پاس پہنچا تو نہایت برا فروختہ ہوا نامہ رسالت کو چاک کر ڈالا۔ اور اپنے والی یمن کو لکھا کہ اس پیغمبر کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو۔ یہ خبر حضرت رسالت کو پہنچی تو فرمایا اِس خط کی طرح اُن کی سلطنت و سطوت کے ٹکڑے اڑ گئے جس پیشین گوئی کی تکمیل پر وزیر اور اُسکی سلطنت کے آئندہ حالات سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

تبریز کے مور شیرین نے اپنے ذائق کی جذباتیں بزرگ امیر کو بوجھیں۔ چنانچہ اس حکیم دانہ کی زبان سے کھلیزہ منہ کے چالیس قصوں کے ساتھ اُن کے تاریخ و حکم سنئے۔ بہر حال اُن نصیحتوں اور اسرار و حافی حکیم کی باتوں کا وہ فوٹون کے دل و نون پر بڑا اثر اُڑا۔ اسکا آخری انجام یہ ہوا کہ خسرو شیرین و دونوں دنیا کی باتوں اور سلطنت کے کاموں سے بے بہرہ ہو کے مذہبی اعمال اور عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے۔

شیرین سے خسرو کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ہاں مرحوم کے بطن سے شیرین نام ایک بیٹا تھا جو نہایت ہی کند ذہن۔ بد نفس۔ مدمم آزار۔ اور لافن تھا۔ شریف لوگ اُس کی طبیعت سے بھاگتے اور لکھا کے ہر گز وہ کو اس سے سخت نفرت تھی جو کوئی اُس کے سامنے جاتا اُسے شرمناک گالیوں دیتا اور سخت بدزبانی کرتا۔ تبریز نے جب شیرین سے شادی کی ہے اس وقت وہ دس سال کا تھا۔ مگر اسی زمانہ بانی یمن اُس کے جذبات بدکاری اس قدر بڑے ہوئے تھے کہ باپ کی شادی کی خبر سُن کے دوستوں سے کٹا کٹا کر شیرین کو مین اپنی جو رو بناسکتا۔

اب اسکی بالائیکوں کی زیادہ شہرت ہوئی تو ایک دن تبریز نے بزرگ امیر سے کہا۔ اِس لڑکے سے مین سخت عاجز ہوں۔ اور اسکے طالع نامہ اُنکے سے نہایت ناگفتہ بہن اور اس کی اناہ نفی و ماحنفی اِس حد کو پہنچ گئی ہے کہ اپنی اُن شیرین پر فحاشی ہوا اسکے اپنے

بتایا بیان ظاہر کرتا ہے۔ نالائق کو نہ مجھ سے محبت ہو نہ ان کا ادب کرتا ہو۔ اور نہ اپنی بہنو
 سے اُنس ہے۔ بلکہ سب سے خار کھاتا ہے۔ بزرگ امید نے جواب دیا وہ ہزار بار ہوا پھر
 آپ کا فرزند ہے۔ لہذا آپ اُس کے دشمن نہ بن جائیں۔ آپ اچھے ہیں تو خدا سے امید ہے
 کہ آپ کا فرزند بھی بڑا نہ ہو گا۔ اچھی جوانی اور عقول شباب کا عالم ہے بڑھاپے میں
 خود ہی سُدمر جائے لگا

اس واقعے کے بعد خسرو بہروز میں عبادت کا کچھ ایسا ذوق بڑھا کہ دنیا ترک کر دی
 اور شب و روز آتش کدے ہی میں رہنے لگا۔ اس کے عہد گزین ہوتے ہی شہر میں
 بن بڑی عثمان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور ساری فوج اور قواد پر متصرف ہو گیا۔
 قلعہ ماتھو آتے ہی اُس کے قدیم جذبات تازہ ہو گئے۔ اور کوشش کرنے لگا کہ قبرین
 میں سے لاشیں نکال کر کھاد میں دفن کر دے۔ اور سونے کی زنجیروں میں جکڑ کے قید خانے
 میں بٹھا دے۔ اب ساری سلطنت اور کل امراء و بزرگ اس کا ساتھ چھوڑ کر کسی کو نہ
 اُسکی فکر تھی اور نہ کوئی اُس کے پاس جاتا۔ مگر شیرین جبین جس طرح محل میں اُسکی نہیں محبت
 تھی۔ قید خانہ میں بھی ہر وقت اُس کے پاس رہتی۔ اُسے تسلی دیتی۔ اور اس کا غم غلط
 کرتی۔ اور اس کو شش بہن ساری ساری راتیں جاگ کے کاٹتی۔

اب شیرودیہ کی شہادت اس سے بھی بڑھ چکی تھی۔ ہوا کہ ایک اندری رات کو
 شیرین و خسرو بیٹل پر لپٹے باتیں کر رہے تھے۔ محبوبہ مدح بہن مزے مزے کی باتوں میں تھیں
 کا دل بھلا رہی تھی کہ آدھی رات سے زیادہ گزر گئی۔ اور دونوں کی آنکھیں گھٹی آئین
 ایک دوسرے پر غصے سے ٹکرائیں۔ قید خانہ کی کھڑکی سے اُتر کے اندر آیا اور پردے پر
 سر ہانے پونجا۔ اور ایک ہی حربے میں اس کا سینہ اور دل و جگر چاک کر ڈالے۔ تلوار کے زہر پھیلنے
 ہی سینے سے خون کا فوارہ جاری ہوا۔ اور وہ شخص اسی کھڑکی پر تڑپا ہوا رہ گیا۔

بروز کی آنکھ کھلی تو اپنے کوسیدہ کو چاک و جان بلب پایا۔ اور تشنگی کی سخت شدت تھی چاہا کہ شیرین کو جگہ کے بانی مانگے۔ مگر دل میں کہا اس نازنین کو میری ولد ہی میں یونہی ساری ساری رات جاگتے گزر جاتی ہے۔ ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی ہے۔ اگر اسی وقت جاگ پڑی تو اور نینداڑ جائے گی۔ اور میرے غم میں روتے روتے صبح کروے گی۔ مناسب یہ ہو کہ اسے نہ جگاؤں یہ سوچتا رہے اور میں مر جاؤں۔ غرض تپ دیز نے دل کے اسی مشورے پر عمل کیا۔ اور چند ہی منٹ میں مر گیا۔

مگر سیتے کے چاک سے خون کا جو فوارہ جاری ہوا تھا اُس نے قلب کی حرکت کے ساتھ اُچھل اچھل کے شیرین کے جسم اور چہرے پر ایسی خون پاشی کی کہ شوہر کے خون کی گری سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ جاگتی شوہر کے محبوب جسم کو بجان پایا۔ اور مال بیباکی و حسرتناکی سے روتے پینے اور خاک اُڑاتے لگی۔ کوئی انیس و ہند پام پاس نہ تھا۔ رات بھر کیسی فو صد اتم کرتی رہی۔ صبح ہوئی تو ذرا سواٹھکا نے ہوسے۔ اور اس بیجان لاش کی زینت و آرائش میں مصروف ہوئی جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ جس خون آلود جسم کو رات بھر اُسٹوون سے دھوتی رہی تھی اب اگلاپ سے خوبال کل کے دھویا اور نہلایا۔ پھر مشک و کا فور سے معطر کیا۔ اور اس کے بعد تاجدار ہی و سریر آرائی کے زمانے سے زیادہ بنا جائے کے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ شوہر کی لاش کی اصلاح کے بعد خود آرائی میں مصروف ہوئی آنکھیں چوٹی کر کے اپنا بھی خوب بناؤ سنگار کیا اور بن سندور کے پوش کے پاس خواہش بیٹھ گئی۔

ان باتوں کی خبر شوہر کو پہلی تو دل میں سمجھا کہ شیرین نے مجھ سے ملنے کے لیے یہ باتیں کہیں کسی رازدار خادم کے ذریعہ سے اس کے پاس کہنا بھیجا ہے۔ مگر اب تو ہنس دیا کہ ہفتہ کی بچھین ابھی ملکہ بناؤں گا۔ اور خبر پر دینے کے لئے سے زیادہ دشوار و مشوکت ہے۔ تھا۔ اب بس ہو گا۔ جبکہ تم میری ملکہ ہو گی یا رازدار۔ ان تھا اسے اتنے میں ہو گا۔ اور بچھین ملک کی مالک ہو گی۔

خادم نے یہ پیام شیرین کو پہنچایا تو اسے ایک طیش سا آگیا قریب تھا کہ شوہر کو غلٹ
 فرزند کو دیا جاوے جو دینا چاہیے تھا۔ مگر کچھ سوچ کے خاموش ہو رہی بلکہ نہایت
 محنت کے بعد یہ کہہ "اُن سے جا کے کہنا مجھے تو خود ہی تم سے ملنے کی تمنا ہے۔ لیکن
 اگر تم میرے وصل سے شاد کام ہونا چاہتے ہو تو میری دشمنی پوری کر دو۔ پہلی شرط یہ
 ہے کہ جس قصر میں شاہ پر دینے رہتے تھے اُسے ڈھا دو۔ اور اُس میں جتنا ساز و سامان
 اور زرد و جاہر سے سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ جس شخص نے
 خاص اپنے ہاتھ سے اُن کی جان لی اور نیز وہ لوگ جو اُن کے قتل کی سازش میں شریک
 تھے اُن کو برے سوائے کر دو تاکہ میں اُن کو سزا دوں۔"

شیرین نے اس کی ہوس میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ فوراً ان شرطوں کو پورا کر دیا۔ اور
 پہلی شرط کے تحت پہلے ہی وہ قصر شاہی جس میں خضر اور شیرین نے عیش بہشتی
 سے بہت عرصہ میں بسر کیا تھے کھود کے زمین کے برابر کر دیا گیا۔ تاکہ پھر اس میں کسی کو عیش نہ
 نصیب ہو۔ اس کا ساز و سامان اور خزانہ غریب و محتاجوں میں تقسیم کر دیا تاکہ اس کا نام
 خضر کی روح کو پہنچے اور جن قاتلوں نے بے گناہ بادشاہ کو قتل کیا تھا وہ بھی اپنے
 کینہ دار کو پونج گئے۔

اس کے بعد ایک سوئے کا مریعہ و جاہر نگار تیار کر لیا گیا۔ اس میں ہر چیز کی
 لاش رکھی گئی۔ اور اوپر سے نہایت ہی تکلف اور شائستگی سے اس کی آرائش کی
 گئی۔ جب جنازہ تیار ہو گیا تو صوبجاتِ حج کے وائی و امیر و رسا سانی خاندان
 شہر باری کے شہزادے اُسے گندھون پر اٹھا کے شاہی جھنڈے کی طرف لے چلے تیار
 تمام امراء و مملکت محسن و زین مملکت شہزادے اور مقتدیایانِ دین ساتھ
 شاہ پور اور آہستہ آہستہ نکلا بھی اس جلوس میں تھے جو روئے اور اتم کرتے جاتے
 ابالوت کے چہرے شہزادہ حسین و مہدیین حرمون کا غول تھا جو سر پہ تاجدارانہ

لباس میں تھیں۔ مگر ان کے درمیان میں شیرین ناز آفرین بناؤ چناؤ کے اور وہیں
بہی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں کاجل تھا۔ ہاتھ یا لون میں مہدی رچی ہوئی تھی۔ چلا
کار پوشاک زیب تن تھی۔ اور اس پر مریخ زریور اپنی آب و تاب دکھا رہا
تھا۔ لیکن باوجود اس سب سے سفور نے اور پڑھکھٹ لباس پہنے ہونے کے وہ
سائوت کے ساتھ ماتم کرتی جاتی تھی۔ اس کی وضع سے دیکھنے والوں کے دل میں
خیال گزرتا کہ معلوم ہوتا ہے شیرین کو خسرو پر دینے کے مرنے کی خوشی ہوئی۔ اور
شیرین وہ دل میں پھولانیں سماتا تھا کہ یہ سمیٹنا چناؤ میرے لیے ہے۔

اس شان و شوکت اور اس کو فرستے تابت دینے کے احاطے میں پہونچا
ہیان دار السلطنت عجم کی ساری خلقت دینے کے گرد ٹھٹ لگائے کھڑی تھی کہ
توبہ یعنی مقدس قوم مجوس کے آدمی تابوت کو دینے کے اندر لے گئے جہاں اور
کسی کا گور نہیں ہو سکتا۔ اہل وحمہ جب لاش کو اندر رکھ کے واپس آئے تو شیرین جو
دروازے کے اگلے پاس توبہ کی آڑ میں کھڑی تھی۔ لوگوں کے باہر نکلتے ہی اس طرح
چپکے سے اندر چلی گئی کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور دروازے کا پٹ بھڑکے اندر سے زنجیر جڑھائی۔
یوں دینے کے اندر مطمئن ہوئے شیرین نے ایک بار ہر کا بچھا خچر اُبلانے کا لا۔ جسے
بڑی احتیاط سے کپڑوں میں چھپا کے لے آئی تھی۔ اور پھر دینے کی لاش کے پاس پہونچی
اسے کھول کے خوب غور سے دیکھا کہ سینے پر کس جگہ کیسا کتا بڑا اور کس قدر گہرا غم
ہے۔ پھر اپنے سینے کو اس خنجر سے اسی جگہ اسی قدر اور اتنا ہی گہرا چاک کر کے اس
طرح اس کی لاش پر گری کہ اس کے سینے کا سارا خون یوین کے سینے میں اتر گیا۔ اس کے
بعد اس کے منہ سے منہ اور لب سے لب بلا کے پیار کیا خوب بچھنے بچھنے کے پٹنی لپٹا اور
اسی حالت میں اپنے محبوب کی لاش سے پٹنی ہوئی مگر گئی۔

شیرین کی موت کے متعلق مولانا غلامی کا یہ بیان ہے جو مذکور ہو گا مگر موصوفین عرب

بیان کرتے ہیں کہ خسرو پروردگار کو قتل کرانے اور اُسے دہنچے میں پھونچانے کے بعد
 شیرین نے شیرین کے پاس آیا اور کہاں ہے حیاتی کے ساتھ اظہار عشق کرنے لگا۔ مگر شیرین
 نے اُسکی خواہش اور ہی کرنے سے قائل نہ ہوا۔ کیا تباہی تو یہ اس پر سختی کر کے لگا
 کہ مجبور ہو کے اُس کی معصیت بجا کر لے کرے۔ اب ابھی وہ اپنی خدمت پر قائم ہے ہی تو اس
 کی ساری دولت و ثروت ضبط کر لی۔ گریبا بھی باوجود شیرین کے انتقال میں فرق نہ
 آیا تباہی تو یہ نہ سمجھتا کہ شیرین کو زمانہ کی اہمیت لگائی۔ اور وہ چکی دی کہ یہ کہنا نہ
 تو اس جرم کی نرا میں تم کو قتل کر ڈالوں گا جب بیان تک نہایت پہنچ کر شیرین نے کہا
 "اچھا میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں مگر تین شرطوں سے" "خیر تو یہ اُسے عشق میں اس
 سے لافض ہوتا تھا کہ کہا سب شرطیں بے سے منظور ہیں۔ جو شرطیں ہوں بیان
 "اپنی شرط تو یہ ہے کہ پتہ پز کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دیجیے اور مجھے
 اختیار ہے کہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہوں کروں" "شیرین نے فوراً ان تمام لوگوں کو
 جن کے ہاتھ سے باپ کو قتل کرایا تھا پتہ پز کے اُس کے حوالے کر دیا۔ اور اُس نے سب کو
 قتل کر ڈالا اور کہا "میری دوسری شرط یہ ہے کہ آپ بھر سے دربار اور اہل ان سلطنت کے
 مجمع عام میں علانیہ اقرار کریں کہ مجھے جو زمانہ کی اہمیت لگائی گئی ہے بالکل جھوٹ ہے"
 شیرین نے فوراً دربار عام کر کے علی رؤس الاشهاد اعلان کر لیا کہ میں نے شیرین کو جو
 اہمیت لگائی تھی وہ بالکل بے بنیاد و غلط تھی اور وہ محض کذب و افتراء تھا۔ دربار کو
 برخاست کر تھے وہ وہڑتا ہوا شیرین کے پاس آیا اور کہا تھا "ابھی یہ شرط بھی پوری
 ہو گئی۔ اب فیسی شرط بیان کرو" "شیرین نے کہا "میری تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے دو گھنٹے
 کے لیے دہنچے کے اندر رہنے باپ کی لاش کے پاس جاسنہ دو۔" "نہن دو" کے کہنے
 ایک چیمبر دی تھی اور وہ دہنچہ لیا تھا کہ اگر ان کے بعد کسی سے شادی کروں گی تو
 اسے خود اپنے ہاتھ سے لہجہ کے ان کی لاش کے پاس دفن کروں گا۔ شیرین نے یہ شرط بھی

منظور کر لی۔ اور حکم دیا کہ دھنچے کا دروازہ کھولا جائے لیکن جب شیرین وہاں جا کر
 کے لیے اٹھی تو کہنے لگا۔ "مگر تم کیلی وہاں دوڑو گی۔ میں اپنے ایک غلام کو تمہارے
 ساتھ کہے دیتا ہوں جو اندر تک تمہارے ساتھ رہے گا۔"

شیرین نے اُس میں تال نہ کیا اور اس غلام کے ہمراہ دھنچے کے دروازے پر
 پہنچی مگر وہاں غلام کو دروازے پر ٹھہر کے کہا "میں ابھی آتی ہوں۔ تم خبردار نہ یہاں
 سے ہٹنا۔ اور نہ کسی کو اندر آنے دینا۔" غلام کو تعمیل حکم میں کیا غدر ہو سکتا تھا؟ وہیں
 ٹھہر گیا۔ اور شیرین دھنچے کے اندر داخل ہو کے بیرون کی لاش کے پاس پہنچی وہاں
 پہلے شوہر کی لاش سے لپٹ کے بہت روئی۔ اور اُس کے بعد ایک زہر آلود آنکھوٹھی جیسے
 ساتھ لیتی گئی تھی چوس چوس کر اپنی جان دے دی۔

خادم باہر کھڑے کھڑے جب بہت دیر ہوئی تو اس نے آواز دی اور جب
 کچھ جواب نہ ملا تو کئی خادموں کے ساتھ اندر گھسا اور دیکھا کہ شیرین پر زہر سے
 لپٹی اور ہم آغوش پڑی پہلے اُسے پکارا پھر پُرس جا کے ہایا۔ تو دیکھا کہ تن بیجان ہے
 اور شیرین بھی وہیں پہنچ گئی۔ جہاں اُس کا شوہر ہے آخر سب نے دھنچے
 سے نکل کے اس کا دروازہ بند کیا۔ اور دوڑ کے شہر ویر کو خبر کی جو اپنی پوتونی
 و نامرادی پر نہایت ہی نادام ہوا۔ اور ایک سخت ترین رویا ہی ہمیشہ کے لیے
 اس کی قسمت میں لکھ دی گئی۔

ختم شد

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں ان کا کوئی صاحب اس کے چھاپنے کا قصد نہ
 کرے۔ ان جس قدر جلدیں طلب ہوں خاکسار سے طلب کریں۔

مناکسا ر سراج الحق بہجہ دگلاز کٹر ڈیزان بگٹان لکھنؤ

منظور کر لی۔ اور حکم دیا کہ دھنچے کا دروازہ کھولا جائے لیکن جب شیرین وہاں جا کر
 کے لیے اٹھی تو کہنے لگی "مگر تم کیلی وہاں دوڑو گی۔ میں اپنے ایک غلام کو تمہارے
 ساتھ کیے دیتا ہوں جو اندر تک تمہارے ساتھ رہے گا۔"

شیرین نے اُس میں تال نہ کیا اور اس غلام کے ہمراہ دھنچے کے دروازے پر
 پہنچی مگر وہاں غلام کو دروازے پر ٹھہر کے کہنا "میں ابھی آتی ہوں۔ تم خبردار نہ ہیماں
 سے ہٹنا۔ اور نہ کسی کو اندر آنے دینا۔" غلام کو تعمیل حکم میں کیا عذر ہو سکتا تھا؟ وہ
 ٹھہر گیا۔ اور شیرین دھنچے کے اندر داخل ہو کے بیرونی کی لاش کے پاس پہنچی وہاں
 پہلے شوہر کی لاش سے پٹ کے بہت لڑوئی۔ اور اُس کے بعد ایک نہر آلودہ آنکھوں کی جیسے
 ساتھ لیتی گئی تھی چوس چوس کر اپنی جان دے دی۔

خادم باہر کھڑے کھڑے جب بہت دیر ہوئی تو اس نے آواز دی اور جیبا
 کچھ جواب نہ ملا تو کئی خادموں کے ساتھ اندر گھسا اور دیکھا کہ شیرین یہ دہرے
 لیٹی اور ہم آغوش پڑی پہلے اُسے پکارا پھر بوس جا کے ہایا۔ تو دیکھا کہ تن بیجان ہے
 اور شیرین بھی وہیں پہنچ گئی۔ جہاں اُس کا شوہر ہے آخر سب نے دھنچے
 سے نکل کے اس کا دروازہ بند کیا۔ اور دوڑ کے شہر و یہ کو خبر کی جو اپنی ہو تو فی
 و نامرادی پر نہایت ہی نادم ہوا۔ اور ایک سخت ترین رو سیاہی ہمیشہ کے لیے
 اس کی قسمت میں لکھ دی گئی۔

ختم شد

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں اندر کوئی صاحب اس کے چھاپنے کا قصد نہ
 کریں۔ ہاں جس قدر جلدیں طلب ہوں تمنا کہ اس سے طلب کریں۔

تمنا کہ اس سراج الحق نہج و لگا کر تہذیب و تمدن کی گمان لکھو

